''مگر اس کی یادداشت۔'' مسز ماریہ کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''کسی ذہنی صدمے کے باعث اس کی یادداشت چلی گئی ہے' یہ درست ہے' مگر بظاہر اسے کوئی چوٹ نہیں لگی۔ گردن پہ جلنے کا نشان ہے مگر میرا نہیں خیال اس کا تعلق اس کی یادداشت کھونے سے ہے۔ میں نے اس سے بات کر کے دیکھی ہے۔ اس کے چند الفاظ سمجھ میں آتے ہیں' شاید دور کسی گاؤں کی علاقائی زبان بولتی ہے جس سے ہم واقف نہیں مگر چند الفاظ ملے کے ہی ہیں۔''

''اگر اس کی یادداشت کھوگئی ہے تو وہ اپنی زبان کیوں نہیں بھولی؟''

''خیر.... کچھ علوم.... زبانیں.... یہ سب پروسیجرل میموری میں اسٹور ہوتے ہیں۔ اور یادیں ذہن کے دوسرے خانوں میں بنتی ہیں۔ بہت سے کیسز میں لوگ اپنی عادتیں نہیں بھولتے۔ وہ پیانو بجا لیتے ہیں' مختلف زبانیں بول لیتے ہیں' کھانا پینا نہیں بھولتے۔ ان کو بہت کچھ کرنا آتا ہے۔ بس ان کو یہ یاد نہیں ہوتا کہ ان کو کیا کیا کرنا آتا ہے۔''

ایک ترحم بھری نظر انہوں نے تالیہ پہ ڈالی جو ابھی تک پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ترچھی تھی اور لمبے سیاہ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔

''یعنی اس کو بہت کچھ کرنا آتا ہے اور موقع ملنے پہ وہ خود دیکھ لے گی کہ وہ کیا کیا کر سکتی ہے مگر ابھی اسے وہ یاد نہیں۔''

''بالکل۔''

''اور کیا اس کی یادداشتیں بھی واپس آئیں گی۔''

''میں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ کوئی جسمانی چوٹ تو اسے لگی نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اسے جلد سب کچھ یاد آجائے۔'' مسز ماریہ نے ایک فکرمند نظر اس پہ ڈالی جو اب بھی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ مسز ماریہ کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ جھکیں۔ وہ ایک انگلی کلائی کے گرد دائرے کی صورت پھیر رہی تھی۔ گویا کوئی کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہو.....

مسز ماریہ کا دل بری طرح دھڑکا.... کتنا اچھا ہوا سے وہ بریسلیٹ بھولا رہے جو انہوں نے اتنا مہنگا بیچا تھا۔ اگر اسے وہ یاد آگیا اور اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور دوسری ٹیچرز کو معلوم ہوگیا تو وہ کیا کریں گی؟

وہ جھرجھری سی لے کر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

☆......☆......☆

تالیہ نے پلکیں دقت سے جھپکائیں..... اس کا جسم ابھی تک ہلکا ہلکا ہل رہا تھا۔ سواری چل رہی تھی.... منظر ذرا دھندلا تھا مگر چند لمحوں بعد دھند چھٹتی گئی.....

اس نے دیکھا کہ لکڑی کی سلاخوں سے بنا چوکور سا پنجرہ ہے جس میں وہ بیٹھی تھی.... اور نقاہت سے سر لکڑی کی سلاخوں سے ٹکا

رکھا تھا۔ وہ پنجرہ کسی سواری پہ رکھا تھا... گھوڑا گاڑی پہ شاید... اور گھوڑے اس کو دوڑاتے دور جا رہے تھے۔ پتھریلی پکی سڑک... اور سڑک کنارے دور دور تک اُگے سبز کھیت... شام کا نیلگوں وقت... ٹھنڈی ہوا... اور وہ پنجرہ.....

درد... سر کے پچھلے حصے میں درد کی لہر پھر سے اٹھنے لگی تو اس نے نقاہت سے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

یتیم خانے کا عقبی لان سرسبز گھاس سے ڈھکا تھا۔ ایک طرف جھولے لگے تھے جن کے آگے پیچھے بہت سے بچے پھر رہے تھے۔ کچھ ٹولیوں کی صورت گھاس پہ بیٹھے تھے۔

ایسے میں ایک تنہا بنچ پہ وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی نسبت ذرا موٹی بچی جس کے گال خوش خوراکی سے مزید پھول گئے تھے۔ وہ سر جھکائے، گھٹنوں پہ کاپی رکھے صفحے پہ قلم چلا رہی تھی۔

مسز ماریہ نے دور سے اسے بیٹھے دیکھا تو گہری سانس بھری اور قریب آئیں۔ اس کے ساتھ بنچ پہ جگہ سنبھالی تو تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے دیکھا اور مسکرائی، پھر دوبارہ سر جھکا کے قلم چلانے لگی۔ لمبے سیاہ بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔

''کل مسز حلمی نے بتایا کہ تم نیند میں ڈر گئی تھیں۔ کوئی برا خواب دیکھا تھا تم نے؟''

تالیہ نے قلم صفحے پہ رگڑتے سر ہلایا۔ ''مجھے یاد نہیں کیا دیکھا، مگر کچھ برا ہی تھا۔'' کندھے ذرا سے اچکائے۔ ان چند ہفتوں میں وہ ٹوٹی پھوٹی زبان سیکھ گئی تھی اور اب بات سمجھ اور سمجھا لیتی تھی۔

''مثلاً کیا؟'' مسز ماریہ محبت اور اپنائیت سے پوچھتے ہوئے اس کے بال نرمی سے پیچھے ہٹانے لگیں۔

''اندھیرا سا تھا... اور میں کسی سے کہہ رہی تھی کہ شہزادی ظالم ہے، وہ گاؤں کو تباہ کر رہی ہے۔'' وہ خاکے میں سیاہ رنگ بھرتے سادگی سے بولی۔

''کون سی شہزادی؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' پھر سے شانے اچکا دیے۔

''تم بہت کھانے لگی ہو تالیہ۔ اس لئے معدہ ڈسٹرب ہو جائے تو برے خواب آتے ہیں۔ اچھا دکھاؤ، کیا بنایا ہے تم نے؟'' انہوں نے بات بدلتے ہوئے نرمی سے کاغذ لینا چاہا تو اس نے مسکرا کے کاغذ خود ہی آگے بڑھا دیا۔ مسز ماریہ نے کاغذ چہرے کے سامنے لا کر دیکھا۔

''ہوں... اچھا ہے، لیکن تم بس ایک یہی چیز کیوں بناتی ہو؟ جزیرے کے اوپر پہاڑی، چاروں طرف سمندر اور پہاڑی کی چوٹی پہ محل....''

بچی نے دونوں ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ گرا دیا اور شانے اچکا دیے۔ انہوں نے کاغذ سے نظر ہٹا کے اسے دیکھا۔

''کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم ایسے محل میں رہو؟''

تالیہ کی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں چمکیں۔ مگر گال سرخ ہوئے۔ قدرے خجالت' قدرے جوش سے اس نے سر ہلایا۔ مسز ماریہ نے مسکرا کے اسے کاغذ واپس کر دیا۔

وہ جب واپس آفس آئیں تو ٹھٹک کے رکیں۔

وہاں ایک درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ ماریہ کی رنگت بدلی۔ جلدی سے دروازہ بھیڑا اور اندر آئیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس آدمی نے مسز ماریہ کو دیکھتے ہی ابرو غصے سے بھینچ لیے۔

''وہ سنار میری جان لے لے گا' ماریہ۔''

''آہستہ بولو....کوئی سن لے گا۔'' وہ اضطراب سے کہتے ہوئے سامنے بیٹھیں۔ نووارد پہ جمی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

''ماریہ....وہ بریسلیٹ اور وہ سکہ....وہ تم سے خرید کے جس سنار کو میں نے بیچا وہ کب سے اپنے پیسے واپس مانگ رہا ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ وہ دونوں چیزیں پگھل کے ہی نہیں دے رہیں۔ وہ کوئی ملعون زیور ہے۔ جب سے اس نے خریدا ہے' اس پہ آفتیں آ رہی ہیں۔ وہ بہت پریشان ہے۔''

''اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں پیسے خرچ کر چکی ہوں۔'' انہوں نے فوراً ہاتھ جھلائے۔ نوارد نے غصے سے دانت کچکچائے۔

''ماریہ....اگر وہ مجھے اسی طرح تنگ کرتا رہا تو میرے پاس تم سے پیسے لے کر اسے واپس دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔''

''اس کو کہو وہ اسے آگے بیچ دے۔'' وہ تیزی سے کہہ رہی تھیں۔ آدمی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ ملعون چیز ہے' ماریہ۔ اسے ڈر ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔''

''میں اب کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے نہیں پتہ۔'' وہ خود کو سنبھال چکی تھیں اور اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھیں۔

''وہ لڑکی جس کے ہاتھ میں یہ تھا۔ تم اس سے احتیاط کرنا....کیا معلوم وہ بھی کسی سحر کے زیرِ سایہ ہو۔ ملعون۔ سحر زدہ۔'' وہ اسے متنبہ کرنا نہیں بھولا تھا۔

ان سے دور.... باہر بینچ پہ بیٹھی تالیہ اب ایک نئے کورے کاغذ پہ خاکہ بنا رہی تھی۔ ایک مختلف جزیرہ....ایک مختلف محل....یہ ستونوں والا تھا اور زیادہ خوبصورت تھا۔

☆......☆......☆

''تالیہ....تالیہ..!''

مدھم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی....اندھیرے میں جیسے کوئی دھیمی سی سرگوشی ہو جو نیند کے سحر کو توڑ دے....تکلیف کے باوجود اس نے بدقت آنکھیں کھولیں....دھندلا سا منظر دکھائی دیا....

پنجرے میں اس کے سامنے کوئی بیٹھا تھا...ہیولہ سا..قریب....اس کی طرف فکرمندی سے جھکا ہوا.....

''تالیہ..!''

اس نے پلکیں جھپکائیں....تصویر واضح ہوئی....وہ کوئی مرد تھا....شکل ابھی تک دھندلی تھی...گدلی سفید شرٹ' ماتھے پہ آگے کو گرے بال....چھوٹی آنکھیں....اور آنکھوں میں فکرمندی....

''تم ٹھیک ہو تالیہ؟'' تشویش میں ڈوبی آواز....اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ یہ کس کی آواز تھی؟ شناسا....بہت شناسا....

☆......☆......☆

چوکھٹ میں وہ ہچکچاتی ہوئی بارہ سالہ لڑکی کھڑی تھی۔ پہلے سے کافی موٹی ہو چکی تھی مگر بال اب بہت چھوٹے تھے۔ چہرے پہ تذبذب تھا۔

سامنے ایک آفس تھا جس میں فائلوں سے بھری اونچی الماریاں رکھی تھیں۔ کرسی خالی تھی اور آفس کی مالکن (یتیم خانے کی کچن انچارج) 'مسز ایگنیس ایک الماری کے سامنے کھڑی تھیں۔ دستک پہ پلٹیں اور ذرا کوفت سے اسے دیکھا۔

''ہاں تالیہ....بولو....کیسے آئیں؟''

وہ ایک گال پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑستی اندر داخل ہوئی۔ پھر ہاتھ باہم مروڑتے ہوئے ہچکچا کے کہنے لگی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی میم۔''

''جلدی بولو' مجھے بہت کام کرنے ہیں۔'' وہ بے زاری سے کھڑے کھڑے بولیں۔

''وہ....میم....میس میں کھانا....بہت....کم ہوتا جا رہا ہے ہر روز۔ کیا آپ مقدار بڑھا نہیں سکتیں؟'' وہ اب صاف صاف بول رہی تھی۔

''نہیں۔ اور کچھ؟''

تالیہ نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ ''میم میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں کیا کروں؟ مجھے ساری رات بھوک سے نیند نہیں آتی۔''

''بھوک' نیند اور لالچ جتنا بڑھاؤ بڑھتی ہے' جتنا گھٹاؤ گھٹتی ہے۔ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنی بھوک کم کرنے پہ دھیان دو۔''

''میم پہلے ٹھیک تھا کھانا' اب آپ لوگوں نے مقدار کم کر دی ہے اور....''

''بات سنو تالیہ۔'' وہ اسے گھور کے درشتی سے بولیں۔ ''جو مل رہا ہے نا' یہ بھی لوگوں کی خیرات سے مل رہا ہے' اور خیرات پہ پلنے

والے نخرے نہیں کرتے۔"

تالیہ کی آنکھوں سے قطرے ٹپ ٹپ گالوں پہ لڑھکنے لگے۔

"اب جاؤ۔" کروفر سے ہاتھ جھلا کے کہا تو وہ مڑ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دیکھا' میم ایگنیس کی میز پہ خوبصورت ڈیزائنر بیگ رکھا تھا۔ میم کے جوتے بھی نئے تھے۔ کلائی کی گھڑی بھی قیمتی لگ رہی تھی۔ یہ سب کھانے کی مقدار گھٹانے سے پہلے تو نہیں ہوتا تھا۔

ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی وہ باہر نکل آئی۔ سامنے سے خاکروب وائپر اور جھاڑو لئے چلا آ رہا تھا۔ یقیناً اس نے اب آفس کی صفائی کرنی تھی۔

اگلی صبح وہ ابھی بستر میں سو رہی تھی' جب کسی نے زور سے اس کا لحاف کھینچا۔ تالیہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

"نیچے اترو۔" کمرے میں اتنے سارے لوگ۔ ان کے غصیلے چہرے۔ وہ نیند کی کیفیت میں چند لمحے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی' پھر حواس واپس آئے تو تیزی سے بنکر کی سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے اتری۔

میم ایگنیس کمر پہ ہاتھ جمائے سرخ چہرے کے ساتھ سامنے کھڑی تھیں۔

"میرے پیسے کہاں ہیں؟" انگارہ ہوتی آنکھوں سے سوال کیا۔

"جی؟" تالیہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"ڈرامے نہیں کرو۔ کل تم آئی تھیں میرے آفس۔ میز پہ میرے بیگ میں نوٹوں کی گڈی رکھی تھی۔ وہ تمہارے جانے کے بعد غائب ہوئی۔ کہاں ہے وہ؟"

اس کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔ بری طرح کچلے جانے کا احساس اسے یوں پہلی دفعہ ہوا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ تالیہ چور نہیں ہے' میم۔ تالیہ نے چوری نہیں کی۔"

زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پہ لگا۔ وہ تیورا کے نیچے گری۔

ایگنیس کے پیچھے کھڑی افسردہ سی مسز ماریہ نے روکنا چاہا لیکن پھر ٹھہر گئیں۔ وہ مداخلت نہیں کر سکتی تھیں۔ آفس پالٹکس۔

"اس کے سامان کی تلاشی لو۔ اور آج سے تالیہ کا ایک وقت کا کھانا بند۔ جب تک یہ میرے پیسے واپس نہیں کرتی۔" ایگنیس ہدایات دے رہی تھیں۔

اور وہ گال پہ ہاتھ رکھے صدمے سے نیچے گری پڑی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ رہا تھا.... اور نظروں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا.... پسِ منظر میں آوازیں آ رہی تھیں.... اس کا سامان کھولنے کی.... کچھ نہ ملنے کا اعتراف کرنے کی.... مگر ایگنیس کی چیخ و پکار جاری تھی....

☆......☆......☆

''تالیہ....تم ٹھیک ہو؟''

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کو واپس کھینچ لائی تھی۔ اس کا جسم تیز دوڑتی سواری کے باعث جھول رہا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں کھولیں اور پلکیں جھپکائیں۔

وہ سامنے بیٹھا فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے پلکیں سکوڑ کے دیکھا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا۔

''توانکو'' وہ ذرا سا اٹھ کے بیٹھی۔ وہ وان فاتح تھا اور وہ پنجرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے پنجرے کی سلاخوں سے سڑک کنارے دوڑتے کھیت نظر آ رہے تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اس نے پھر پوچھا۔ آواز بار بار پلٹ کے سنائی دیتی جیسے وہ کنویں میں بول رہا ہو۔ شاید اس کے کان بج رہے تھے۔

''ہوں!'' اس نے سر کو ذرا سی جنبش دی۔ کچھ بولا نہیں جا رہا تھا....وہ جواب میں کچھ پوچھنے لگا مگر اب اس کی آواز آنا بند ہو گئی۔ صرف لب ہلنے لگے۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کی سماعت پہ چھانے لگی۔ تالیہ نہیں جانتی تھی کہ اس شور میں وہ کیا کہہ رہا ہے۔

☆......☆......☆

وہ ایک لمبا سا برآمدہ تھا جس سے کئی کمروں کے دروازے باہر کھلتے تھے۔ شام کے اس پہر وہ خاموش پڑا تھا۔ دفعتاً ایک دروازہ کھلا اور یتیم خانے کا خاکروب باہر نکلتا دکھائی دیا۔ منہ میں کچھ چباتا وہ دروازہ بھیڑ کے آگے بڑھ گیا۔

دیوار کی اوٹ سے تالیہ دھیرے سے نکلی۔ اس کے پھولے گال پہ نیل کا واضح نشان تھا اور آنکھوں میں سلگتا ہوا غصہ۔

خاکروب اب بے پرواہ سا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ وہ اناڑی چور تھا لیکن اگر اتنا ہی ذہین ہوتا تو خاکروب تھوڑا ہی ہوتا؟

وہ تیزی سے اندر گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر بتی جلائی۔ سادہ کمرہ....الماری....صندوق۔ وہ تیزی سے آگے آئی اور ایک ایک چیز کھولنے لگی۔ چند منٹوں میں کمرے کا حشر نشر ہو گیا۔ جو آخری چیز اس نے کھولی وہ تکیے کا غلاف تھا۔ اسے الٹایا تو نوٹوں کی گڈی زمین پہ آن گری۔

وہ تلخی سے مسکرائی اور گڈی اٹھائی۔ (تو یہ تھی وہ رقم جس کے لئے ایگنیس نے مجھ پہ جھوٹا الزام لگایا؟ میرے بعد خاکروب آیا تھا۔ یہ واقعی اسی نے چرائی تھی۔)

اس نے رقم لباس میں چھپائی' ایک نظر کمرے کو دیکھا اور پھر اسے اسی طرح چھوڑ کے باہر نکل آئی۔ یہ اس کی پہلی چوری تھی اور تھی تو وہ بھی اناڑی چور مگر جانتی تھی خاکروب کبھی بھی گڈی نکال لینے والے کا سراغ نہیں لگا سکے گا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے نوٹوں کی گڈی چھپا دی اور پھر بستر پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی سوچتی گئی۔

کیا وہ یہ رقم اگینیس کو واپس کردے؟ مگر پھر گال پہ ہاتھ رکھا تو کراہ نکلی۔ درد ابھی تک ہوتا تھا۔ سر نفرت سے ہلایا۔ ہرگز نہیں۔

تو پھر وہ اس کا کیا کرے؟ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے وہ سوچتی رہی۔

اس رات جب میس میں کھانا لگا تو اس نے آہستہ آہستہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سب اٹھ گئے اور وہ ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ نرملا دیوی جو وہاں کام کرتی تھی، کوفت سے اس کی میز تک آئی۔ ''تم اٹھو گی یا نہیں؟''

''نرملا دیوی....'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے لجاجت سے بات شروع کی۔ دل دھڑک رہا تھا۔

''کیا تم میرا ایک کام کرسکتی ہو؟''

''بتاؤ'' وہ سننے رک گئی۔ تالیہ نے ایک تہہ شدہ نوٹ کپڑوں سے نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ نرملا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''تالیہ۔ تم نے واقعی مسز اگینیس کے پیسے چرائے تھے؟''

''شش۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''اگر میں تمہیں روز پیسے دوں تو تم مجھے زیادہ کھانا دیا کرو گی؟ بہت زیادہ۔''

نرملا نے ایک نظر نوٹ کو دیکھا اور چہرے پہ غصہ لے آئی۔

''کیوں بھئی؟ میں کیوں کروں گی ایسا؟ بلکہ میں ابھی مسز اگینیس کو بتا دوں گی۔''

''کیا بتاؤ گی؟ کہ تالیہ نے آپ کے پیسے چرائے ہیں؟ سارا یتیم خانہ پہلے سے ہی یہی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ پیسے رکھ لو تو تمہیں ہی فائدہ ہوگا....'' وہ جتنی تیزی سے بولی.... نرملا لاجواب ہوگئی....

پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور نوٹ تھام لیا....

☆......☆......☆

''اس نے تمہارے سر پہ مارا تھا کچھ شاید۔ کیا تمہیں درد ہو رہا ہے؟'' فاتح کے الفاظ اب کچھ کچھ سنائی دینے لگے تھے۔ گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور وہ پنجرے کے کونے میں بیٹھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ویرانی اور خالی پن سے۔ ذہن اس کے الفاظ کو رجسٹر نہیں کر پا رہا تھا۔

''سر میں درد ہے کیا؟'' وہ فکرمندی بھری نرمی سے سوال پوچھ رہا تھا۔

''ہم.... کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے خود کو کہتے سنا....

پنجرے کے باہر اب کھیت نیلے اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے.... شاید مغرب پھیل رہی تھی.....

☆......☆......☆

نرملا دیوی راہداری میں چلتی جا رہی تھی جب تالیہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ وہ پہلے سے بڑی اور سنجید نظر آتی تھی۔ قد نرملا کے

برابر پہنچنے کو تھا۔ گال زیادہ پھول گئے تھے۔ راہداری کے وسط میں اس نے نرملا کو روکا تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں رکی۔

”کیا ہے؟“ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ساڑھی پہ جیبوں والا لمبا سوئیٹر پہنے وہ ایک تیز طرار عورت لگتی تھی۔

”نرملا دیوی.... میں نے تم سے چاول زیادہ مانگے تھے اور تم نے مجھے نہیں دیے۔“

”کیونکہ تم اب مجھے پیسے نہیں دے رہیں۔“

”میرے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔“

”ہاں میں جانتی ہوں، تم جب بازار جاتی ہو ٹرپ کے ساتھ تو اپنے کپڑوں میں کتنے کیک اور چاکلیٹس چھپا کے واپس لاتی ہو۔ اگر تم فضول خرچی نہ کرتیں تو اتنے سارے پیسے ختم نہ ہوتے۔“ وہ ناک سکوڑ کے بولی۔

”مگر اتنے ماہ تو میں نے تمہیں پیسے دیے ہیں۔ اب نہیں ہیں تو کیا کروں۔“ وہ روہانسی ہوئی۔

”تم چور ہو۔ چرا لو کسی سے۔ لیکن اگر پیسے نہ دیے تو زیادہ کھانا نہیں دوں گی۔“ وہ ہونہہ کہہ کے آگے بڑھی۔ تالیہ راستے میں کھڑی تھی، سو اس کو ایک ہاتھ سے تالیہ کو پرے دھکیلنا پڑا۔ اور اسی وقت تالیہ کا ہاتھ نرملا کے سوئیٹر کی جیب میں گیا۔ نرملا چلتی گئی۔ تالیہ نے بند مٹھی کھولی۔ اندر چابی تھی۔

(آخر میں چور ہوں نا۔) اس نے دکھ سے وہ چابی دیکھی۔ ان میں سے ایک میس کے فریج کی چابی تھی۔ جو نرملا کی دسترس میں رہتی تھی۔

اگلی صبح چابی نرملا کی جیب میں واپس آ چکی تھی مگر جب ناشتے کے لئے اس نے فریج کا دروازہ دیکھا تو اس کا لاک کھلا تھا اور لاک کے اندر چابی ٹوٹی ہوئی تھی۔ شاید کل جلدی میں فریج بند کرتے ہوئے چابی لاک کے اندر ٹوٹ گئی ہو اور اسے علم نہ ہو سکا ہو۔ مگر شکر کے دروازہ لاک نہیں ہوا تھا۔ ورنہ یہاں سب اتنے سست تھے، کوئی بھی لاک تبدیل کروانے کی ہمت نہ کرتا۔

اب وہ فریج کو لاک نہیں کر سکتی تھی مگر دروازہ کھول بند کر سکتی تھی۔ (خیر ہے کسی دن لاک بدلوا دوں گی۔ کون سا بچوں کو علم ہے کہ دروازہ اب لاک نہیں ہو گا اور وہ کچھ چرا لیں گے۔) اس نے بے پرواہی سے اندر سے دودھ نکالا اور دروازہ بند کر دیا۔

مگر ایک بچی کو علم تھا کہ اب رات کو دبے پاؤں میس میں جا کر کھانا کہاں سے چرانا ہے۔

☆......☆......☆

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ اس کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی تھی۔

پتھریلی سڑک پہ دوڑتی گھوڑا گاڑی کو مسلسل جھٹکے آ رہے تھے۔ کھیت اب اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

”میں نہیں جانتا۔ انہوں نے گن پوائنٹ پہ....“ وہ رکا۔ ”تلوار تان کر ہمیں اندر بیٹھنے پہ مجبور کیا۔ اور پھر یہ تمہیں بھی لے آئے۔

تم بے ہوش تھیں۔"

"اور ایڈم؟" اس نے نظریں گھمائیں۔ دوسرے کونے میں ایڈم اکڑوں بیٹھا تھا۔ اسے خود کو دیکھتا پا کے سر کو خم دیا۔

"بری خبر' ہے تالیہ۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔"

اس کی نظریں ایڈم کے ہاتھوں پہ جم گئیں۔ وہ آگے کو اکٹھے تھے اور کلائیوں کے گرد رسی بندھی تھی۔ رسی اس کی گردن تک جاتی تھی۔ اور پیروں میں بھی۔ وہ پوری طرح سے بندھا تھا۔

"اس کے ہاتھ...." وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی.... "کیوں بندھے ہیں؟"

اب سارے پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ سڑک تاریک ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

یتیم خانے کی پتھریلی عمارت اس ڈوبتی شام میں یوں کھڑی تھی کہ اس کے سایے لمبے ہو کے گھاس پہ گر رہے تھے۔ سورج کا نارنجی تھال ڈوبنے کے قریب تھا۔ تالیہ ایک درخت سے ٹیک لگائے گھٹنوں پہ کاپی رکھے قلم تیز تیز چلا رہی تھی۔ کاغذ پہ ایک سیاہ سفید سا اسکیچ ابھر رہا تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پہ مخروطی چھت والا محل۔

دفعتاً بوٹ میں مقید دو پیر اس کے سامنے آ رکے۔ ایسے سیاہ چمکدار بوٹ کہ ان میں چہرہ نظر آئے۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ وہ ٹو پیس میں ملبوس ایک آدمی تھا جس کے سر پہ انگریزوں والا سیاہ ہیٹ تھا اور ہاتھ جیبوں میں تھے۔ صاف رنگت' چینی نقوش' دلکش مسکراہٹ اور ہاں....کوٹ کی اوپری جیب میں اٹکا' پیلا گلاب جو پہلی نظر میں ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیتا تھا۔

اجنبی یہاں کم کم نظر آتے تھے۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی حیرت بھانپ کے نووارد نے ہیٹ اتارا اور سر جھکایا۔

"کیسی ہو تم' کم عمر لڑکی؟"

وہ مسکرائی نہیں۔ بس سنجیدگی اور اچنبے سے اس کو دیکھے گئی۔

بھورے بالوں والا وہ آدمی بہت سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ عمر چالیس سے اوپر ہوگی۔ اور آنکھیں کسی کم عمر لڑکے جیسی جوان تھیں۔

"تمہارے بال کس نے کاٹے ہیں' ننھی لڑکی؟"

وہ اس کے سامنے گھاس پہ کھڑا تھا۔ پیچھے سورج ڈوب رہا تھا۔ پتھریلے قلعے کے سایے غائب ہو رہے تھے۔

تالیہ چپ رہی۔

"اچھے نہیں کاٹے۔" اس نے ہیٹ دوبارہ سر پہ جما لیا۔ تالیہ نے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو چھوا۔ وہ پہلے کی طرح لمبے نہیں تھے بلکہ کانوں سے ذرا نیچے تک باب کٹ کی صورت آتے تھے۔

''کیا تمہیں لمبے بال نہیں پسند؟''

تالیہ نے سر جھکا لیا اور بولی تو آواز میں سادگی تھی۔

''ہم یتیم ہیں اور ہم خیرات پہ پلتے ہیں۔ جتنے لمبے بال' اتنا زیادہ شیمپو۔ یہاں سب کے بال چھوٹے ہوتے ہیں۔''

''اور تمہارے کپڑے؟'' وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔

''ہمارے کپڑے کبھی درست سائز کے نہیں ہوتے۔ لوگ اچھے کپڑے اور کھلونے کبھی خیرات میں نہیں دیتے' اَن چے (مسٹر)...؟''

وہ رکی اور ہچکچا کے گردن اٹھائی۔

''ذوالکفلی!'' وہ مسکرایا۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

''ذل...کِف...لی؟'' وہ مسحور سے توڑ توڑ کے دہرانے لگی۔ جیسے اس ویران کھنڈر قلعے میں کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

''ہاں۔ صرف ذوالکفلی۔ میں رائٹر ہوں اور یتیم خانے کی زندگی پہ ناول لکھ رہا ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گی؟''

''میں؟'' اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''مسز ماریہ نے مجھے یتیم خانے کے ان کوارٹرز میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔'' اس نے قلعے کی اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں ٹاور کی سب سے اونچی کھڑکی تھی۔ ''لیکن یہاں کوئی ٹھیک سے بات ہی نہیں کرتا۔ تم کرو گی؟''

''ہوں۔'' اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''کل رات جب میں ادھر رہا تو...چے...؟'' وہ رکا۔ (مِس؟)

وہ تیزی سے بولی۔ ''تالیہ بنتِ مراد۔'' وہ مسکرایا۔ کیا سحر انگیز مسکراہٹ تھی اس کی۔

''چے تالیہ۔ بلکہ مجھے کہنا چاہیے۔ پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)....'' تالیہ کے گالوں پہ سرخی پھیلی۔ مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا پتری تالیہ....رات جب میں یہاں رہا تو چیخنے کی آوازیں آتی تھیں۔''

''ہر رات آتی ہیں۔ یتیم خانے میں کبھی خاموش راتیں نہیں گزرتیں' اَن چے ذوالکفلی۔''

''مگر کل رات وہ لڑکا کیوں چیخ رہا تھا۔''

''کیونکہ جب بھی کوئی نیا شخص یتیم خانے میں آتا ہے۔ (اس کی نظریں ذوالکفلی کے چہرے پہ بہت مان سے جم گئیں۔) اور وہ ہم سے پیار سے بات کرتا ہے...تو ہمیں لگتا ہے وہ ہمارا فوسٹر فادر بن جائے گا۔ اور وہ ہمیں اس جگہ سے دور لے جائے گا۔ وہ ہمیں فیملی دے دے گا۔ اس نے بھی یہی سمجھا لیکن وہ لوگ جب اس کو پسند کیے بغیر چلے گئے تو وہ ساری رات روتا رہا۔''

''ویری سیڈ۔''اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ پھر نگاہ تالیہ کے کاغذ پہ پڑی تو قدرے چونکا۔

''کیا بنا رہی ہو تم؟''اس نے کاغذ لیا تو وہ مسکرا دی۔

''مجھے محل بنانا اچھا لگتا ہے۔''

''مگر مجھے محل میں رہنا اچھا لگتا ہے۔''وہ بے ساختہ بولا تو وہ دونوں ہنس دیے۔ قلعے کے اوپر شام کے سایے اب مزید گہرے ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆

''اس کے....اس کے ہاتھ کیوں بندھے ہیں؟''وہ تکلیف کے باعث گھٹا گھٹا سا بول پائی۔ سامنے بیٹھے فاتح نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم بھاگ جائیں' اس لیے انہوں نے ہمیں باندھ دیا ہے۔''

گھوڑا گاڑی پنجرہ لادے سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ ارد گرد کھیتوں پہ رات چھاتی جا رہی تھی۔

''ہم؟''اس نے چونک کے دہرایا۔ حواس ذرا جاگے۔ گردن جھکائی تو دیکھا۔ گود میں رکھے اس کے اپنے ہاتھ بھی رسیوں میں بندھے تھے اور وہ رسی اس کی گردن تک آ کر اسے مقید کیے ہوئے تھی۔ پھر پیروں تک جاتی۔ پیر تک بندھے تھے۔

اس نے بدک کے ہاتھ اوپر کھینچے مگر رسیوں کی گرفت مضبوط تھی۔

''ریلیکس بچے تالیہ....ہم کوشش کر چکے ہیں.... یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''دور بیٹھا دھندلا سا نظر آتا ایڈم بولا تھا۔

وہ سنے بغر مختل حواسوں کے ساتھ بار بار ہاتھ اوپر کھینچ رہی تھی .....

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سماعتوں میں صور پھونکے جا رہی تھی.....

☆......☆......☆

ملاکہ شہر میں واقع یتیم خانے کا پتھریلا قلعہ دھوپ میں کھڑا دہک رہا تھا۔ اندر ایک راہداری میں چند بچے چلتے جا رہے تھے۔ سب سے پیچھے وہ دونوں تھے۔ پیلے گلاب کو کوٹ کی اوپری جیب میں ٹکائے' سیاہ ہیٹ پہنے ذوالکفلی.....اور....اس کے ساتھ چلتی تالیہ۔

''آج سب خوش کیوں ہیں' پتری تالیہ؟''وہ سامنے چہکتے بچوں کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا۔

سرخ سیبوں جیسے موٹے گالوں والی تالیہ مسکرا کے بتانے لگی۔''کیونکہ ملاکہ کی کسی امیر فیملی کے بچے کی آج سالگرہ ہے۔ جب امیر لوگوں کے بچوں کی سالگرہیں ہوتی ہیں نا' تو وہ یتیم خانے میں مٹھائی یا چاکلیٹ بھیجتے ہیں... یا ایک وقت کے چاول وغیرہ....بہت مزہ آتا ہے۔ کاش امیر بچوں کی سالگرہیں روز ہوا کریں تاکہ ہمیں ان کے مال سے کچھ حصہ ملتا رہا کرے۔''

وہ آس سے بولی تو وہ راہداری کے درمیان رک گیا اور اس کی طرف گھوما۔ وہ بھی بے ساختہ ٹھہر گئی۔

ذوالکفلی گھٹنوں پہ دونوں ہاتھ رکھے اس کی جانب جھکا اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''امیر لوگ بھی ہم جیسے ہوتے ہیں تالیہ....مگر وہ امیر اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا پیسہ لوٹتے ہیں۔ان کی دولت اصل میں ہماری ہوتی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' تالیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''کیونکہ جو ٹیکس ہم دیتے ہیں وہ قومی خزانے میں جاتا ہے۔امیر لوگ خزانے سے بہانے بہانے سے رقم نکلواتے ہیں۔کبھی پراجیکٹس کی صورت میں، کبھی بینکوں سے قرضے کی صورت میں۔امیر لوگ پھر وہ رقم کبھی واپس نہیں کرتے۔اسی رقم سے وہ اپنے بچوں کی سالگرہیں کرتے ہیں۔''

''یعنی ان کا پیسہ ہمارا ہوتا ہے؟''

''ہاں....اور اپنا پیسہ واپس لینا کوئی جرم نہیں ہوتا۔'' وہ سیدھا ہو گیا۔پھر مسکرایا۔ایک دم سے اس مسکراہٹ نے اس کے سنجیدہ تلخ چہرے کو ڈھانک دیا۔

''چلو اوپر چھت پہ چلیں۔میں ملاکہ کا نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی۔

''آپ کو چھت سے ہر وقت شہر دیکھنا کیوں پسند ہے'ان چے ذوالکفلی؟'' وہ افسوس سے بولی تھی۔وہ جواب میں کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں چلتے دور ہوتے جا رہے تھے....ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''تالیہ۔مت کرو۔رکو۔اسٹاپ اِٹ۔'' وہ اب کے جھڑک کے بولا تو وہ جو رسی مسلسل کھینچ رہی تھی ٹھہری....گردن اٹھا کے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا....

''یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے ہمیں کیوں پکڑا ہے؟'' پلکیں جھپکائیں تو بصارت واضح ہوئی جیسے پانی گدلے شیشے کو صاف کر دے....جامنی اندھیرے میں فاتح کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

''میں نہیں جانتا۔میں ان کی زبان نہیں سمجھتا۔'' وہ مدھم آواز میں بتانے لگا۔''انہوں نے ہمارے اوپر تلواریں تان لی تھیں۔''

''تو آپ لوگوں نے مزاحمت کیوں نہیں کی۔ایڈم کے پاس تو پستول بھی تھا۔'' وہ شاکی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔جیسے ان کی بہادری پہ شک ہوا ہو۔

''میں تو اس کو شوٹ کرنا چاہتا تھا مگر سر نے روک دیا۔'' ایڈم گلہ آمیز انداز میں بولا۔

''ایڈم نے آج تک ایک جیتا جاگتا انسان نہیں مارا' میں تم دونوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر

بولا۔اور پنجرے کی سلاخوں سے ٹیک لگالی۔سفید گدلی شرٹ کے آستین اوپر چڑھائے' مٹی لگے چہرے کے ساتھ' وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔اس کے ہاتھ پیر بھی ویسے ہی بندھے تھے۔

''اور جب میں نے ان کی گاڑی دیکھی تو کوئی مزاحمت نہیں کی۔گاڑی کا مطلب تھا کہ وہ راستوں سے واقف ہیں۔میں ان کی زبان نہیں سمجھتا مگر وہ بار بار ایک ہی لفظ دہرا رہے تھے۔ملاکہ۔یقیناً یہ گاڑی ملاکہ شہر جا رہی ہے۔''

''اور آپ نے خود کو بندھوا کے جانوروں کی طرح اس پنجرے میں ڈالنے دیا ان کو۔کوئی مزاحمت نہیں کی؟'' وہ غصے سے بولی۔ سر ابھی تک گول گول گھوم رہا تھا۔

''صرف اس لئے کہ وہ ملاکہ جا رہے تھے۔ان کو جنگل سے نکلنے کا راستہ معلوم تھا۔کیا تم بھول گئیں؟ Eyes on the Prize۔اور ہماری منزل ملاکہ ہے۔منزل پہ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔راستوں اور طریقوں پہ کر لیا جاتا ہے۔''

وہ بالکل چپ ہو گئی....پھر سر دھیرے سے سلاخوں سے ٹکا دیا اور نظریں باہر دوڑتے کھیتوں پہ جما دیں۔

چاند نکل آیا تھا اور کھیت اندھیرے میں چاندنی کے باعث مدھم مدھم سے نظر آ رہے تھے....

گھوڑوں کے قدم دھول اڑاتے تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے....

☆......☆......☆

قلعے کے باغیچے میں بہار کے ڈھیروں پھول کھلے تھے اور ان کی خوشبو گھاس پہ بیٹھے لوگ محسوس کر سکتے تھے۔

وہ گھاس پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی اور سامنے ہیٹ والا مسکراتا ہوا ذوالکفلی بیٹھا تھا۔

''اور کیا ہے وہ جادو جو آپ نے مجھے دکھانا تھا؟'' وہ مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔انداز میں اعتماد اور انسیت تھی۔

''ہاں وہ...!! '' وہ مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔تالیہ آگے کو جھکی اور جب مٹھی باہر نکال کے کھولی تو اس میں ایک سکہ تھا۔

''یہ کھوٹا ہے' اور یہ دنیا والوں کے پاس کھوٹا رہے گا مگر جب یہ تمہارے ہاتھ میں آئے گا تو....''

تالیہ نے دلچسپی سے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔ذوالکفلی نے سکہ اس کے ہاتھ پہ رکھا اور اس کی مٹھی بند کی۔اب ذوالکفلی کے ہاتھ اس کے ہاتھ کے اوپر نیچے رکھے تھے۔پھر اس نے تالیہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مگر تمہارے ہاتھ میں وہ کھوٹا نہیں رہے گا۔وہ تمہارے دل جیسا ہو جائے گا۔خوشبودار اور خوبصورت۔'' اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔

تالیہ نے بند مٹھی دھیرے سے کھولی۔

اندر سکہ نہیں تھا۔

اندر پیلا گلاب تھا۔

اس کی آنکھیں بے یقینی سے پوری کھل گئیں۔ "یہ کیسے؟" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ گئے۔

"میں جادوگر ہوں، پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔" وہ آواز کو بھاری کر کے بولا تو وہ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں ہنس دی۔

"اور وہ سکہ کہاں گیا؟"

"تمہاری جیب میں۔"

تالیہ نے جلدی سے فراک کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اندر سکہ واقعی رکھا تھا۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

"کیا آپ مجھے یہ جادو سکھا سکتے ہیں؟" وہ لجاجت سے بولی مگر ذوالکفلی گھڑی دیکھتے اٹھ رہا تھا۔

"مجھے ابھی چھت سے ڈوبتا سورج دیکھنا ہے۔ اس کے بعد۔"

"پلیز ابھی۔" وہ منت کرنے لگی مگر وہ مسکرا کے اپنا ہیٹ درست کرتا آگے بڑھ گیا۔

"سب کہتے ہیں ذوالکفلی صاحب یہاں تمہاری وجہ سے ٹھہرے ہیں۔" ایک کم عمر بچہ اس کے قریب آ کے بیٹھا اور دھیرے سے کان میں سرگوشی کی۔ تالیہ کا چہرہ مزید چمک اٹھا مگر بظاہر خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

"وہ ناول لکھ رہے ہیں، بس اس لئے ٹھہرے ہیں۔"

"نہیں۔ کل مسز ایگنیس بھی کہہ رہی تھیں۔ وہ ایسے بچے کو ایڈاپٹ کرنا چاہتے ہیں جن سے ان کی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔ وہ شاید تمہارے فوسٹر فادر بن کے تمہیں ایڈاپٹ کر لیں گے۔ تم لکی ہو تالیہ.... تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔" وہ سمجھداری سے کہہ کے اٹھ گیا تو وہ مسکرا کے پھر سے ان دونوں چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔

ایک کھوٹا سکہ اور ایک پیلا گلاب....

واؤ.... جسٹ واؤ۔

☆......☆......☆

رات گہری ہو رہی تھی اور گھوڑا گاڑی کی رفتار قدرے سست ہو گئی تھی۔ وہ ہنوز پنجرے کی سلاخوں سے سر ٹکائے ہوئے تھی۔ البتہ نیند اب پوری طرح کھل چکی تھی اور آنکھیں دور سڑک پہ جمی تھیں۔ اوپر تاروں بھرا آسمان تھا۔ اتنے تارے، اتنے تارے.... گویا سیاہ دوپٹے پہ افشاں انڈیل دی گئی۔

"اس دنیا میں سب کچھ ہمارے ملائیشیا سے مختلف ہے.... بس ایک ہوا ویسی ہی ہے...." وہ سڑک کو تکتے بولی۔

"آپ کی اطلاع کے لیے، چے تالیہ، ہوا بھی ویسی نہیں ہے۔"

"کیا؟" تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

''جب ساٹھ ستر سال پہلے امریکہ نے جاپان پہ ایٹم بم برسائے تھے تو وہ بم ساری دنیا کی فضا کو آلودہ کر گئے تھے۔یعنی ہمارے Planet ارتھ کی فضا میں، مٹی میں، پھلوں میں، ہر چیز میں ہلکا ہلکا سا Cesium-137 شامل ہو گیا تھا اور قیامت تک شامل رہے گا۔اس سے پہلے یہ قدرتی طور پہ فضا میں نہیں ہوتا تھا۔یعنی ابھی....'' ایڈم نے گہری سانس اندر کھینچی۔''ابھی فضا اس سے پاک ہے۔مگر ظاہر ہے' آپ کو کیا معلوم۔آپ کتابیں تھوڑی پڑھتی ہیں۔''

فاتح نے فوراً تالیہ کا چہرہ دیکھا (کوئی ردِعمل؟) مگر....خلافِ توقع اس نے برا نہیں مانا۔بس سر واپس سلاخوں سے ٹکا دیا۔

ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی۔جھٹکا اتنا زور کا تھا کہ تالیہ کا سر جھول کے دوبارہ سلاخوں سے آٹکرایا۔لبوں سے کراہ نکلی۔

گاڑی کی اگلی نشستوں سے کوئی جست لگا کے اترا اور پیچھے آیا۔سر پہ پٹی باندھے وہ سانولا سا آدمی تھا۔اس نے ان تینوں کو باری باری گھورتے ہوئے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ اندر بڑھایا جس میں تین رول سے تھے۔خوشبو بھی اچھی تھی۔ساتھ ہی اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔تالیہ کا ہاتھ سب سے پہلے بڑھا۔اس نے جلدی سے رول تھاما اور آنکھوں کے قریب کر کے دیکھا۔روٹی جیسی چیز میں لپٹا قیمے جیسا آمیزہ۔ اس نے ندیدوں کی طرح دانت اندر گاڑھے۔گیلا بھی تھا جیسے کوئی ساس اندر لگی ہو۔مختلف سا ذائقہ تھا مگر مزیدار تھا۔اتنے دنوں کی محرومی جاگ اٹھی۔وہ جلدی جلدی کھانے لگی۔فاتح نے باقی دونوں رول تھامے اور ایک ایڈم کی طرف بڑھا دیا۔رسیاں سختی سے بندھی تھیں مگر لمبی تھیں۔وہ ہاتھ قدرے آگے پیچھے بڑھا سکتا تھا۔

اب وہ آدمی اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔فاتح نے قدرے اکتا کے اسے دیکھا۔

''وقت ضائع مت کرو، ہم تمہاری زبان نہیں سمجھتے۔''

''کیا تم ہمیں ملاکہ لے کر جا رہے ہو؟'' وہ لقمے سے بھرے منہ کے ساتھ ایک دم بولی۔

اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ....لہجہ....زبان....اس کے ساتھی مسافروں کے لیے اجنبی تھا۔وان فاتح نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ایڈم کا منہ کھل گیا۔وہ آدمی بھی چونکا تھا۔

''ہاں۔ہم ملاکہ جا رہے ہیں۔''

''مگر تم نے ہمیں باندھا کیوں ہے؟ ہمارا جرم کیا ہے؟'' وہ رات کی تاریکی میں سلاخوں کے پار کھڑے آدمی سے نڈر انداز میں پوچھ رہی تھی۔فاتح بس اسے دیکھ رہا تھا۔رول ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

''ہم جانتے ہیں تم اپنے مالک کی قید سے بھاگے ہوئے غلام ہو۔ہم تمہیں وہاں لے کر جا رہے ہیں جہاں جانے کے تم حقدار ہو۔'' قدرے سختی سے بولا اور آگے بڑھ گیا۔اسکے بیٹھتے ہی گاڑی جھٹکے سے چل پڑی۔تالیہ کا سر پھر سے سلاخوں سے ٹکرایا تھا۔عین وہاں جہاں گومڑ تھا.....

☆......☆......☆

تیرہ سالہ تالیہ مراد سر جھکائے کرسی پہ بیٹھی تھی۔ میز کے پار کرسی پہ مسز ماریہ براجمان تھیں اور تالیہ کے سامنے بیٹھے پولیس آفیسر کو دیکھ رہی تھیں۔

''چے تالیہ!'' پولیس آفیسر اس کی طرف جھکے سنجیدگی سے مخاطب تھا۔

تالیہ نے ویران چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں ایسے خالی تھیں جیسے لٹے ہوئے لوگوں کا دل خالی ہو جاتا ہے۔

''مسز ماریہ نے بتایا ہے کہ سارے یتیم خانے میں سب سے زیادہ ذوالکفلی تم سے گھلتا ملتا تھا؟''

تالیہ نے کھوئے کھوئے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اب تک تم جان ہی چکی ہو گی کہ وہ ایک جھوٹا مکار شخص تھا۔ ایک کون آرٹسٹ۔ ایک چور۔'' وہ بے رحم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ ''وہ کوئی رائٹر نہیں تھا۔ وہ جعلی کاغذات پہ ادھر آیا اور او پر ٹاور سے وہ سامنے والی عمارت کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ جہاں ایک آرٹ آکشن (نیلامی) ہونی تھی۔''

تالیہ نے پھر سے سر ہلا دیا۔ سارے الفاظ معنی کھو چکے تھے۔ ذوالکفلی کے غائب ہونے کے بعد ساری دنیا جیسے اندھیر ہو گئی تھی۔

''کل رات اس نے نیلامی پہ ایک قیمتی ہیرا چرا لیا ہے۔ اور اب وہ غائب ہو چکا ہے۔ میں جانتا ہوں اس نے تمہیں امید دلائی ہو گی کہ وہ تمہیں ایڈاپٹ کر لے گا مگر وہ ایک اسکامر تھا' تالیہ۔''

''اس نے مجھے کوئی امید نہیں دلائی تھی۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''بہرحال.... ہم نے اس کو گرفتار کرنا ہے.... کیا تم ہماری مدد کرو گی؟''

تالیہ نے ایک نظر مسز ماریہ کو دیکھا۔ پھر آفیسر کو۔ ''میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''ہمارے پاس اب تک ذوالکفلی کی ایک بھی تصویر نہیں ہے۔ مسز ماریہ کا کہنا ہے کہ تم اسکیچ بنانے میں ماہر ہو۔ کیا تم اس کا اسکیچ بنا سکتی ہو یا ہمارے اسکیچ آرٹسٹ کی مدد کر سکتی ہو؟''

وہ چند ثانیے اس کو دیکھتی رہی۔ پھر خاموشی سے ایک کاغذ اٹھایا۔ پین ہولڈر سے قلم نکالا اور سر جھکائے قلم کاغذ پہ رگڑنے لگی۔ پولیس آفیسر نے گہری سانس لے کر ٹیک لگا لی اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ کام آسان ہو گیا تھا۔

''کیا اس نے کسی کو نقصان پہنچایا تھا؟ کسی کی جان لی تھی؟'' وہ تیزی سے قلم چلاتے سر جھکائے بولی۔

''نہیں مگر وہ چور تھا۔ اس نے ہیرا چرایا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے مسز عثمان کے لئے۔''

''مسز عثمان وہی جن کی پوتی کی سالگرہ پہ یتیم خانے میں کھانے کے ڈبے آتے ہیں؟''

''ہاں' وہی' تالیہ۔'' مسز ماریہ نے تائید کی۔ وہ خاموشی سے اسکیچ بناتی گئی۔ پھر سر اٹھایا اور کاغذ اس کے سامنے کیا۔ آفیسر نے غور

سے اسے دیکھا اور مسز ماریہ کی طرف بڑھا دیا۔

''ذوالکفلی سے کم لوگ ہی ملے تھے۔ وہ عموماً کمرے میں رہتا تھا اس لیے یتیم خانے میں زیادہ لوگوں نے اسے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اگر مسز ماریہ آپ تصدیق کر دیں کہ یہ وہی آدمی ہے تو مجھے دوبارہ یتیم خانے کے چکر نہیں لگانے پڑیں گے۔''

مسز ماریہ نے ''شیور'' کہتے ہوئے مسکرا کے کاغذ تھاما' پھر اس پہ نظر ڈالی تو مسکراہٹ سمٹی۔ وہ ایک موٹے' بھدے آدمی کا چہرہ تھا۔ ناک' آنکھیں' سب کچھ جدا تھا۔ انہوں نے چونک کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ انہی کو دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔

''کیا یہی ذوالکفلی ہے' مسز ماریہ؟'' آفیسر نے پھر سے کلائی کی گھڑی دیکھ کے عجلت میں پوچھا۔

''سر... جب میں دو سال پہلے یتیم خانے میں آئی تھی تو میری کلائی میں ایک بریسلیٹ تھا... سونے کا... مگر پھر وہ....'' تالیہ ایک دم سادگی سے کہنے لگی.... اس سے پہلے کہ آفیسر اس کی طرف متوجہ ہوتا' مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔

''جی یہی ہے وہ۔'' اور تیزی سے کاغذ واپس بڑھایا۔ رنگت قدرے پھیکی پڑی تھی۔

''شکریہ۔'' اس نے کاغذ تھاما اور تالیہ کو دیکھا۔ ''تمہارے بریسلیٹ کا کیا؟''

تالیہ نے ایک چبھتی ہوئی نظر مسز ماریہ پہ ڈالی جو حیران بھی تھیں اور پھیکی بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر ذرا سا مسکرائی۔ ''میں کہہ رہی تھی کہ میرا بریسلیٹ.... بالکل آپ کی گھڑی جیسا لگتا تھا۔ اتنا ہی خوبصورت۔''

ماریہ کے لبوں سے بے اختیار سکون بھری سانس خارج ہوئی۔ اف۔

''اوکے۔'' آفیسر رسماً مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ذوالکفلی کی تصویر دکھا کے مزید ہمارے لوگوں کو ہراساں نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگر بات پھیل گئی کہ تالیہ نے تصویر بنائی ہے یا تصویر ہماری طرف سے آپ کو ملی ہے تو ذوالکفلی یا اس کے ساتھی ہمیں جانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں' مسز ماریہ۔ ہم دوبارہ آپ کو زحمت نہیں دیں گے۔'' وہ اب شکریہ ادا کر رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد آفس میں کتنی ہی دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر تالیہ اٹھ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''تم نے ذوالکفلی کو کیوں بچایا؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔ ''وہ ایک چور ہے۔''

ننھی لڑکی مڑی اور سپاٹ نظروں سے ان کو دیکھا۔ ''یہاں کون چور نہیں ہے؟''

مسز ماریہ پہ گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ تالیہ بنتِ مراد اب باہر جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازرات کے مقدس سناٹے کو چیر رہی تھی۔ اس کے سر کا گومڑ پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ مگر وہ پرواہ کیے بنا

مرغوبیت سے اس رول کو کھا رہی تھی۔

''تم ان کی زبان بول سکتی ہو۔'' فاتح ابھی تک تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ منہ لقمے سے پھولا ہوا تھا۔ (یہ وہ نزاکت سے ٹیبل پہ چھری کانٹے سے کھانے والی سوشلائیٹ نہیں تھی جو ایک رات عصرہ' اشعر اور اس کے ساتھ ان کے ڈائننگ روم میں کھانا کھاتے ہوئے گھائل غزال کی بات کر رہی تھی۔)

''مگر کیسے؟''

''کیونکہ...'' لقمے کے باعث آواز پھنسی پھنسی نکلی۔ ''میں گیارہ سال اسی ملاکہ میں بڑی ہوئی تھی۔ زبان آتی ہے مجھے اور ہاں.... وہ کہہ رہا تھا کہ شاید ہم بھاگے ہوئے غلام ہیں۔''

''مگر تمہاری یادداشت تو کھو گئی تھی۔ تمہیں زبان کیسے یاد رہ گئی۔''

''پتہ نہیں۔'' تالیہ نے کندھے اچکائے اور تیزی سے کھانے لگی۔

''کیونکہ سر....'' ایڈم کھنکھار کے بولا۔ رول اس کے ہاتھ میں بھی تھا مگر وہ ذرا تہذیب سے کھا رہا تھا۔

''یادداشتیں اور علوم ایک جگہ دماغ میں اسٹور نہیں ہوتے۔ گو کہ ابھی تک اس کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی کہ اکثر یادداشت کھو جانے والے لوگوں کو اپنی زبان اور بہت سی عام معلومات کیسے یاد رہ جاتی ہیں' مگر شاید اس لئے کہ ان کے ذہن کا وہ حصہ متاثر ہوتا ہے جہاں ان کی یادیں ہوتی ہیں۔ وہ نہیں جہاں معلومات ہوتی ہیں۔ آپ کھا کیوں نہیں رہے سر؟'' کہتے ہوئے وہ اپنا رول لبوں تک لے گیا اور لقمہ دانتوں سے توڑا۔

فاتح نے جواب میں سوچتی نظروں سے اس رول کو دیکھا۔ ''اس میں گوشت ہے۔''

''ملاکہ مسلمان ملک ہے' سر۔ یہ حلال ہوگا۔ ویسے بھی اس حالت میں سب جائز ہوتا ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ گوشت ہر دور میں ایک قیمتی غذا رہی ہے۔ اور ان لوگوں نے ہمیں قیدی بنایا ہے۔ قیدیوں کو اتنی اچھی غذا کون دیتا ہے؟'' وہ سوچ میں ڈوبا تھا۔

مگر وہ دونوں اس کی بات پہ غور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ خاموشی سے اپنا اپنا کھانا کھا رہے تھے۔

رات قطرہ قطرہ پگھلتی جا رہی تھی.....

☆......☆......☆

یتیم خانے کے قلعے کا باغیچہ آج رنگوں اور روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ ہر طرف رنگ برنگے غبارے بکھرے تھے۔ ایک جانب اسٹیج تھا جہاں تقریبِ تقسیمِ انعامات ہو رہی تھی۔ چند مشہور سوشل ورکر خواتین.... سجی سنوری امیر بیگمات.... اور سوٹڈ بوٹڈ اصحاب کرسیوں پہ براجمان تھے۔

مسز ماریہ بھی ایک کرسی پہ براجمان مسکرا رہی تھیں۔ سامنے بچے قطاروں میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ سب اچھے سے تیار ہوئے تھے۔ (یتیم خانے کے بچے کم عمری میں ہی خود تیار ہونا سیکھ لیتے تھے کیونکہ ان کو کوئی تیار کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔) چند بچے اسٹیج پہ قطار میں کھڑے تھے۔ ایک ایک کر کے آگے آتے' اور زیورات سے سجی خاتون سے انعام وصول کر کے اسٹیج سے اتر جاتے۔

مسز ماریہ کی نگاہ قطار میں تیسرے نمبر پہ کھڑی تالیہ پہ پڑی تو مسکراہٹ ذرا سمٹی۔ وہ بالوں کی پونی بنائے' خاموش سی کھڑی تھی۔ ذوالکفلی کے جانے کے بعد سے وہ چپ چپ رہنے لگی تھی۔ اور اگر کبھی مسز ماریہ سے سامنا ہو جاتا تو ان کو یوں دیکھتی کہ ان کو نگاہ چرانی پڑتی۔ بات صرف بریسلیٹ کی نہیں تھی۔ کوئی بھی بچے کی بات نہ مانتا۔ بات اپنے دل کے چور کی تھی۔ انہوں نے پھر سے نگاہ چرالی۔

سامنے والے دونوں بچے ہٹے تو تالیہ کی باری آئی۔ خاتون نے مسکرا کے اس سے ہاتھ ملایا اور میز پہ رکھا کھلونے کا ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھائے۔ بس نظریں اٹھا کے ان کو دیکھا۔

''کیا مجھے وہ والا نہیں مل سکتا؟'' اس نے انگلی سے ایک دوسرے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ خاتون کی مسکراہٹ سمٹی' مگر پھر....اسٹیج پہ بیٹھے اپنی طرف متوجہ لوگوں کو دیکھا....اور کیمرہ مین کو جو تصاویر بنا رہا تھا۔ جلدی سے سنبھل کے مسکرائیں اور ''کیوں نہیں'' کہہ کے ایک دوسرا ڈبہ اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔

تالیہ نے بہت شوق سے وہ ڈبہ پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔ نیچے اپنی سیٹ پہ جاتے ہی اس نے وہ ڈبہ کھولا۔ اندر تیر کمان تھی۔ کھلونے والی کمان جو اچھی کوالٹی کی تھی اور چند تیر۔ اس نے بہت محبت اور اپنائیت سے اس پہ ہاتھ پھیرا۔ اس سے متعلق کوئی یاد ذہن کے کسی گوشے میں موجود نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اتنا اپنا اپنا سا لگتا تھا کہ....

آگے جو ہوا وہ خود ہی ہوا۔

اس نے خود کو تیروں کا ترکش کمر پہ پہنتے دیکھا۔ پھر کمان سیدھی کر کے تیر اندر لگایا اور اسٹیج کے کونے میں لگے غباروں کی طرف نشانہ باندھا....وہاں گیس والے غبارے ایک ساتھ بندھے تھے جیسے....غباروں کا گلدستہ ہو۔ اس نے کھینچ کے تیر چلا دیا۔

تیر زن سے اڑتا ہوا عین اس جگہ لگا جہاں غباروں کے دھاگوں کا جوڑ تھا۔ چٹخنے کی آواز آئی اور غبارے غول کی صورت فضا میں بلند ہوئے۔

لوگوں نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ گردنیں مڑیں۔ آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ترکش سے تیر نکال کے ایک کے بعد ایک فضا میں نشانے پہ چلا رہی تھی۔ فضا میں اڑتے غباروں کو باری باری تیر لگ رہے تھے۔ وہ 'ٹھاہ....ٹھاہ' کی آوازوں کے ساتھ پھٹنے لگے۔ مگر تالیہ نہیں رکی۔ ہاتھوں میں کوئی جنون سا در آیا تھا۔

بچے چیخیں مارتے اٹھ گئے۔ اسٹیج پہ بھی ہلچل مچ گئی۔ مگر وہ تاک تاک کے فضا میں اڑتے غباروں کا نشانہ لیتی ان پہ تیر برسا رہی

تھی۔کوئی تیر خطا نہیں جا رہا تھا۔

غبارے پٹاخوں کی آواز کے ساتھ پھٹتے جا رہے تھے۔

زور سے مسز ماریہ نے اس کے ہاتھ سے کمان کھینچا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تو وہ ہوش میں آئی....اور ادھر ادھر دیکھا۔ حیرت اور خوف سے دور ہٹے بچے....اسٹیج پہ کھڑے لوگ....کیمرہ مین دھڑا دھڑ تصویریں اتار رہا تھا۔وہ ایک دم ڈرسی گئی۔جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔مسز ماریہ برہمی اور بے یقینی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

اس لمحے انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس لڑکی کو وہ مزید اپنے یتیم خانے میں برداشت نہیں کر سکتیں۔انہیں جلد از جلد اس کو ایڈاپٹیشن کے لئے دینا ہوگا۔انہیں اس سے چھٹکارا چاہیے تھا۔

یہ لڑکی سحر زدہ تھی۔

☆......☆......☆

گھوڑا گاڑی تاریک راستے پہ تیز دوڑ رہی تھی۔فاتح اکڑوں بیٹھا تھا' اور بندھے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے تھے۔رول وہ کھا چکا تھا مگر سوچ میں ڈوبا تھا۔باقی دونوں بھی خاموش تھے۔ایسے میں وہ بار بار اپنے بندھے ہاتھ جیب تک لے جانے کے لئے اٹھاتا' پھر ٹھہر جاتا۔نہ ہاتھ وہ جیب تک لے جا سکتا تھا' نہ جیب میں وہ بٹوہ تھا جس کے اندر جھانکنے کی تڑپ اس کی عادتوں میں شامل تھی۔ جانے وہ کہاں گر گیا تھا۔

تالیہ ہنوز سلاخوں سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ایڈم باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اب ہم نے کیا کرنا ہے؟''اس نے یکسانیت سے اکتا کے سوال پوچھا تو تالیہ نے چہرہ موڑا۔اس کی آنکھیں سپاٹ سی تھیں۔

''ہم نے شہزادی تاشہ کو ڈھونڈنا ہے۔اور وہ ہمیں میرے بابا تک لے جائے گی۔''

''مگر چے تالیہ....ہم اس وقت قید میں ہیں۔''اس نے جتا کے یاد کرایا۔

''اب نہیں رہیں گے۔'' کہتے ہوئے وہ سیدھی ہو بیٹھی اور بندھے ہوئے ہاتھ سامنے اٹھائے۔پھر کلائیوں کو موڑنے لگی۔ایڈم کی نظروں میں اچنبھا ابھرا۔

''رسیاں پکی بندھی ہیں....یہ چوڑیاں نہیں ہیں جن سے آپ کلائیاں نکال لیں۔''

تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔''میں کے ایل کی سب سے ماہر چور اسی لئے ہوں کیونکہ مجھے اپنے ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے نکالنے کا فن آتا ہے۔''وہ ایک مخصوص زاویے پہ ہاتھوں کو اکٹھا کر کے موڑے جا رہی تھی۔

فاتح نے ستائش سے ابرو اٹھائی۔''میں نے سن رکھا تھا کہ ایسے ٹرکس ہوتے ہیں مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ حقیقت میں ممکن ہے۔

پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ کس سے سیکھا تم نے یہ؟''

اس نے نظریں اٹھا کے فاتح کو دیکھا۔ ''ایک جادوگر سے۔'' اس کے ہاتھ مسلسل رسیوں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسی کلائی کی جلد کو چھیل رہی تھی۔ خون بہہ رہا تھا مگر ہاتھ اندر ہی اندر مڑ کے چھوٹا ہو رہا تھا۔ گویا پٹھے خود کو اکٹھا کر لینے کے عادی تھے۔

☆......☆......☆

وہ لاہور کی ایک اَپر کلاس کالونی تھی جہاں قطار میں چھوٹے چھوٹے بنگلے بنے تھے۔ تیسرے نمبر کے بنگلے کے اندر کچن میں آؤ تو اونچی سیاہ پونی والی تالیہ سنک کے سامنے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ وہ بیس اکیس برس کی تھی مگر کافی موٹی اور گول مٹول۔ شلوار قمیص پہنے' دوپٹہ سائیڈ پہ باندھے وہ مگن سی کھلے نل تلے آخری برتن کھنگال رہی تھی۔ پھر اسے ٹوکری میں رکھا' تولیے سے ہاتھ پونچھے' چولہا بند کیا اور باہر نکل آئی۔

صوفے پہ فربہی مائل ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی تھیں۔ ٹی وی چل رہا تھا اور وہ فون کان سے لگائے کسی سے محوِ گفتگو تھیں۔ تالیہ جس پل اندر آئی' انہوں نے اسی وقت فون رکھا۔

''کھانا پک گیا؟''

''جی امی۔ کچن بھی صاف ہو گیا ہے۔'' وہ صاف اردو میں بات کر رہی تھی۔ ''ناشتہ ٹیبل پہ لگا دیا ہے' اور دادا جی کو ان کے کمرے میں ناشتہ ابھی دے آتی ہوں (شہناز بیگم کے ماتھے پہ بل پڑے بہر حال خاموش رہیں۔) پھر میں کالج چلی جاؤں گی۔'' پھر ہچکچا کے رکی۔

''امی....کالج کا ٹرپ جا رہا ہے مری' دو دن کے لئے۔ مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔''

انہوں نے گردن پوری گھما کے اسے دیکھا۔ ''میرے پاس ان فضولیات کے لئے پیسے نہیں ہوتے تالیہ۔ شفقت صاحب کتنی محنت سے کماتے ہیں' ہماری دو بیٹیاں ہیں جن کی ہم نے شادی کرنی ہے۔ اگر یونہی جمع پونجی خرچ کر دیں گے تو شادیاں کہاں سے کریں گے؟''

''مگر مناہل اور زیمل بھی تو پچھلے ہفتے ٹرپ پہ گئی تھیں' ارسل بھی جاتا ہے۔ اور ان کے ٹرپ تو مہنگے والے ہوتے ہیں۔''

''کیونکہ ان کا کالج مہنگا والا ہے۔ تم سرکاری کالج میں پڑھتی ہو' اس لئے اپنی چادر دیکھ کے پاؤں پھیلایا کرو۔'' ناک سکوڑ کے سر جھٹکا اور ریموٹ اٹھا لیا۔

وہ چند لمحے چبھتی نگاہوں سے ان کو دیکھتی رہی۔ وہ ابھی سو کے اٹھی تھیں اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ ٹی وی پہ ڈرامہ دیکھتے ہوئے بار بار جمائی بھی روکتی تھیں۔ تالیہ سے مکمل بے زار۔

''میں ایک فرینڈ سے ادھار لے کے چلی جاؤں؟''

''میری بلا سے جو بھی کرو۔'' انہوں نے ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا۔

وہ سر کو خم دے کر وہاں سے چلی آئی۔

اوپر آ کے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اس نے بڑے بیڈروم کا دروازہ کھولا جو شہناز اور شفقت صاحب کا تھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا۔ اس کے فوسٹر فادر آفس جا چکے تھے اور شہناز رات کا ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ڈرامہ دیکھنے سے پہلے ٹی وی کے سامنے سے اٹھنے والی نہ تھیں۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور اسٹڈی شیلف کے سامنے رکی۔ تیسرا دراز کھولا۔ اندر ایک خفیہ خانہ تھا۔ تالیہ نے اسے کھولا۔ چابی نکالی۔ پھر ڈریسنگ روم میں آئی اور آخری الماری میں چابی لگائی۔ دروازہ کھل گیا۔

اندر ایک دراز میں نوٹوں کی گڈیاں رکھی تھیں۔ اس نے بینک کے نوٹوں کی ایک گڈی اٹھائی جو پورے ایک لاکھ کی تھی۔ مہارت سے Staple کی پن اتاری' چند نوٹ درمیان سے نکالے' اور پھر اسٹڈی ٹیبل کے دراز سے بڑا اسٹیپلر نکالا۔ گڈی کو دوبارہ اسٹیپل کیا اور احتیاط سے واپس رکھ دیا۔ کوئی بھی ثبوت چھوڑے بنا وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور پیسے چھپا دیے۔

(جاؤں گی تو میں ضرور۔ ہونہہ)

کچھ دیر بعد وہ نیچے دادا جی کے کمرے میں ان کو ناشتہ کروا رہی تھی۔ وہ نحیف اور کمزور سے تھے۔ سر کے سارے بال سفید تھے۔ بستر پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے ساتھ اسٹول پہ بیٹھی' چائے پرچ میں ڈالتی' اور ان کے لبوں کے قریب لے جاتی۔ وہ گھونٹ بھرتے۔

''تالیہ!'' مسکرا کے اسے اپنی بوڑھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگے۔ ''تم میری سگی پوتی نہ ہو کر بھی میری کتنی خدمت کرتی ہو۔''

''رئیلی دادا جی.... یہاں اس گھر میں کوئی اپنی بات مجھے ایڈاپٹڈ ہونے کا احساس دلائے بغیر کیوں نہیں ختم کر سکتا؟'' وہ ہنس کے بولی اور پھر سے چائے پرچ میں انڈیلنے لگی۔

''تم اس گھر میں خوش نہیں ہو نا؟''

''آپ خوش ہیں؟'' انہوں نے گہری سانس لی اور چھت کو دیکھنے لگے۔

''میں گلہ نہیں کر سکتا۔ شفقت کا باپ ہوتا تو اس کا حق تھا کہ وہ میری خدمت کرتا۔ لیکن میں اس کا چچا ہوں۔ اس نے مجھے اپنے گھر رکھا ہوا ہے یہی بہت ہے۔''

''آپ نے تین دکانیں جو ابا کے نام کر دی تھیں۔ اب بھی وہ نہ رکھتے آپ کو۔'' اس نے چائے سے بھری پرچ ان کی طرف بڑھائی مگر وہ اب سیر ہو چکے تھے۔

''پیسے سے خوشی نہیں خریدی جا سکتی۔''

''کبھی کسی محل میں رہنے والے کو اداس دیکھا ہے آپ نے؟'' اس نے پرچ اور پیالی پرے رکھ دی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ کالج کی بس میں ابھی وقت تھا۔ وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگے۔

''تمہیں محل اچھے لگتے ہیں نا؟''

''بہت زیادہ' دادا جی۔'' آنکھیں میچ کے اس نے جیسے مزہ لیا۔''میرا دل چاہتا ہے ایک دن میں نیند سے جاگوں تو سامنے ایک سڑک ہو...ایک طرف سمندر ہو....اور سیدھ میں سڑک اوپر ایک پہاڑی تک جاتی ہو....اس پہ ایک محل بنا ہو اور وہ میرا ہو....دیکھئے گا دادا جی....تالیہ ایک دن میں بہت امیر ہو جائے گی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ بولے تو وہ چونکی۔عموماً وہ اس کی ان باتوں پہ تبصرہ نہیں کرتے تھے۔آج کچھ مختلف تھا۔

''کوئی بات ہے دادا جی؟'' اس نے ٹھٹک کے ان کا چہرہ دیکھا۔انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تالیہ....میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' آج ہوں' کل نہیں' اس لئے....''

''آپ اب کیا فلموں کی طرح مجھے اپنی وصیت بتانے لگے ہیں؟'' وہ پھر سے ہنس دی۔وہ نہیں ہنسے۔سنجیدہ رہے۔

''یاد ہے کافی عرصے پہلے میں نے تمہیں ایک علاقے میں ایک پلازہ دکھایا تھا جس میں بارہ دکانیں تھیں؟ جب تم مجھے وہیل چیئر پہ وہاں لے گئی تھیں؟''

''جی' مجھے یاد ہے۔کیوں؟''

''وہ سارا پلازہ میرا ہے۔ان دکانوں کا مالک میں ہوں۔''

تالیہ مراد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔چند لمحے شل رہی' پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''ابا جی کو یہ بات نہیں معلوم' دادا جی؟''

''میں مرتے وقت وہ اس کو دینا چاہتا تھا' ان کا کرایہ میرے اکاؤنٹ میں آتا ہے۔میرا رشتے کا پوتا جبران ان کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ مگر اب میں وہ پلازہ شفقت کو نہیں دینا چاہتا۔میں وہ....'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا۔''تمہیں دینا چاہتا ہوں۔''

تالیہ کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔سانس تک بند ہو گیا۔

''دادا جی....''

''ابھی اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔جبران آئے گا تو میں اس سے قانونی کارروائی کا کہوں گا۔وہ خاموشی سے تمہارے نام ہو جائے گا اور جب تمہاری شادی ہو گی تو تم اس کو بیچ کے اپنی مرضی کا محل خرید لینا کیونکہ میرا دل کہتا ہے' کہ ایک دن ہماری تالیہ کسی محل میں راج کرے گی۔''

وہ یک ٹک ان کو دیکھے جا رہی تھی۔آنکھوں میں آنسو بھر رہے تھے.....

☆......☆......☆

گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی....پنجرے میں بیٹھی تالیہ مسلسل کلائیوں کو گھما رہی تھی۔ ہاتھوں کو اکٹھا کر کے وہ خاص زاویے پہ ان کو مروڑ کے رسی کو چوڑی کی طرح اوپر دھکیل رہی تھی۔ خون آلود ہاتھ دھیرے دھیرے باہر نکل رہا تھا۔

فاتح افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے زخمی ہاتھوں کو نہیں....اس کے چہرے کو....جہاں کوئی عجیب سا خالی پن تھا....شاید وہ ماضی کی کسی یاد میں گم تھی.....

☆......☆......☆

چھوٹے سے بنگلے میں معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔ کچن میں کھڑی تالیہ نے دوپٹہ سر پہ اوڑھ رکھا تھا اور دادا جی کے لئے دلیہ نکال رہی تھی۔ امی صبح ہی سلور کے پیالے لائی تھیں اور حکم ملا تھا کہ چینی کے برتنوں میں دادا جی کو کھانا نہیں دینا' مبادا وہ ٹوٹ نہ جائیں۔ خیر' یہ چاندی کے برتن بھی پیارے تھے۔ قیمتی اور خوبصورت۔

تالیہ نے مسکرا کے دلیہ ان میں نکالا' چمچ' پلیٹ ساتھ ٹرے میں سجائی اور ٹرے اٹھائے باہر چلی آئی۔ لاؤنج کے پرلے کونے پہ دادا جی کا کمرہ تھا' اور خلافِ توقع آج امی اور ابا وہیں موجود تھے۔ دادا جی کا بھانجا جبران بھی آیا ہوا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی' سب کو سلام کیا' ایک نظر سارے پہ دوڑائی (امی کا بے چین انداز....ابا کی خاموشی....پرسکون اور قدرے خوش بیٹھے دادا جی۔ آج کل امی' ابا اکثر دادا جی کے پاس جا بیٹھتے تھے' اور دادا جی کے ان سے گلے دور ہوتے جا رہے تھے۔ جبران بھی ساتھ ہی بیٹھا تھا۔)

اس نے خاموشی سے پیالہ دادا جی کی سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تو امی فوراً بولیں۔

''تم جاؤ' جبران کھلا دے گا۔''

''جی اچھا۔'' تالیہ نے بس مسکرا کے دادا جی کو دیکھا' وہ بھی جواباً مسکرائے اور سر کو خم دیا۔ وہ واپس پلٹ آئی۔ مگر ذہن میں کچھ کھٹک رہا تھا۔ (جبران کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے؟ کل بھی وہ لان میں امی کے ساتھ بیٹھا تھا جب میں ٹیوشن سے آئی تھی۔ کوئی تو بات ہے۔)

وہ کچن میں آئی اور چوکی پہ بیٹھ کے ہتھیلی گال تلے رکھے سوچ گئی۔ (کیا تھا جو اسے کھٹک رہا تھا؟)

قریباً پندرہ منٹ گزرے تھے کہ ابا کی گرج دار آواز سنائی دی۔ ''تالیہ....تالیہ۔'' وہ ایک دم ڈر گئی۔ پھر بھاگی بھاگی اندر گئی۔ دروازہ کھولا تو....ان سب کے چہرے ویسے نہ تھے جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔ ابا غصے سے سرخ تھے تو امی کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھیں....اور دادا جی....ان کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں میں آنسو۔

''کیا ہوا؟'' وہ ہکلائی۔

''یہ دلیہ تم نے بنایا ہے نا؟'' امی چمک کے بولی تھیں۔ اس نے جلدی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''جی....کیا اچھا نہیں بنا؟'' اس کی نظریں دادا جی کی آنکھوں پہ ٹکی تھیں۔

''اچھا؟ ارے اس میں زہر ملا ہوا ہے۔'' انہوں نے پیالے سے چاندی کا چمچ نکال کے سامنے لہرایا۔

''زہر؟'' تالیہ کا سر گھوم گیا۔

''وہ تو شکر ہے میں نے صحت کے پیشِ نظر گھر میں چاندی کے برتن استعمال کروانے شروع کیے۔ اللہ نے ابا جی کی زندگی بچانی تھی' سو ہم نے وقت پہ دیکھ لیا کہ سارا پیالہ اور چمچ سیاہ پڑ رہا ہے۔ ایسا صرف تب ہوتا ہے جب زہر چاندی کے چمچ کو چھو جائے۔''

وہ چوکھٹ پہ کھڑے کھڑے پتھر بن گئی۔ ایک نظر اس پیالے کو دیکھا جو واقعی سیاہ پڑ رہا تھا۔ آدھا دلیہ زمین پہ گرا ہوا تھا۔ اور پھر مری مری نظروں سے دادا جی کو دیکھا۔ ''مجھے نہیں پتہ یہ کیسے ہوا۔ میں نے خود دلیہ بنایا ہے' کسی نے کیسے اس میں کچھ ڈال دیا۔''

''کسی نے نہیں' تم نے ڈالا ہے۔'' ابا جی غصے سے چلائے تھے۔

''تالیہ....!'' دادا جی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔ ''تالیہ....تم چاہتی تھیں....میں جلدی مر جاؤں؟ اتنی جلدی کیا تھی بیٹے؟'' وہ سارے حساب کتاب کیے بیٹھے تھے۔ پندرہ منٹ سے عدالت لگی تھی اور ساری تفتیش مکمل ہو چکی تھی۔ دادا جی کو یقین دلایا جا چکا تھا۔ ثبوت اس کے خلاف جاتے تھے۔

اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ رنگت سفید پڑ گئی۔ بے یقینی سے ان کو دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں نے نہیں کیا یہ....دادا جی....میں ایسے کیوں کروں گی؟'' گلا رندھ گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے چوکھٹ پکڑ لی۔ چکر سے آ رہے تھے۔

امی اس کو جواب میں گالیاں دینے لگی تھیں۔ لے پالک' جانے کس نیچ خاندان کی تھی وہ۔ ابا کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پولیس بلا لی ہے۔ ان کی رشتے دار خاتون سب انسپکٹر بس آنے ہی والی ہوگی اور وہ تالیہ سے سارا معاملہ اگلوا لے گی۔

مگر وہ بھاگی نہیں۔ وہ چوکھٹ کو پکڑے کھڑی بے یقینی سی تھی۔ جبران بالکل چپ بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

''دادا جی....میں نے یہ نہیں کیا۔ میرا یقین کریں۔ یہ سب مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔'' وہ بار بار ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔

دادا جی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے چہرہ پرے پھیر لیا۔ جبران نے ان کا ہاتھ تھاما تو انہوں نے جواب میں زیادہ سختی سے جبران کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خون' خون ہوتا ہے۔ وہ اپنوں پہ زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ اپنے جیت گئے تھے۔ تالیہ کا دل پھر سے کچلا گیا۔

''میں نے یہ نہیں کیا۔'' وہ زور سے چیخی۔ ''یہ سب آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جبران نے ان کو دکانوں کا بتا دیا ہے۔ دادا جی یہ آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔''

وہ بھاری بھرکم عورت پیچھے سے آئی تھی۔ تھانیدارنی۔ اور اب وہ اس کو پیچھے کھینچ رہی تھی۔ حوالات کی باتیں کر رہی تھی....مگر وہ

کچھ نہیں سن رہی تھی، وہ اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتی ہوئی چلا رہی تھی۔

"اللہ گواہ ہے، میں نے یہ نہیں کیا۔ دادا جی میری طرف دیکھیں۔ دادا جی میری بات سنیں۔ دادا جی میں آپ کی تالیہ ہوں۔ میں آپ کو فجر پہ وضو کروانے آتی ہوں۔ میں آپ کو آدھی آدھی رات کو پانی پلانے آتی ہوں۔ دادا جی میں آپ کی واحد فیملی ہوں۔ آپ میری واحد فیملی ہیں۔ میری بات تو سنیں۔" وہ اب رو رہی تھی مگر وہ عورت اسے پیچھے کھینچ رہی تھی۔ اس نے چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جما رکھے تھے ...ناخن لکڑی پہ گاڑھ دیے تھے۔ کھینچنے اور گھسیٹنے کے باعث وہ چوکھٹ سے رگڑتے نشان چھوڑ گئے ...کچھ ناخن ٹوٹ گئے ....انگلیوں سے خون رسنے لگا مگر وہ چلائے جا رہی تھی ....

"دادا جی ....میری طرف دیکھیں تو سہی ....دادا جی ...."

☆......☆......☆

زخمی ہاتھ ایک جھٹکے سے رسیوں کی قید سے آزاد ہوئے تھے۔ اس نے وحشیانہ انداز میں رسی پرے پھینکی، پھر گردن سے رسی کا طوق نکالا، اور تیزی سے پیروں کے گرد سے گانٹھیں کھولنے لگی۔ پیر آزاد کرتے ہی وہ فاتح کی طرف بڑھی۔

"پہلے ایڈم۔" اس نے فوراً اسے روکا۔ اور وہ رک گئی۔ فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا اور ایڈم کی طرف آئی۔ ایڈم انکار کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ فوراً اپنے ہاتھ آگے کر دیے۔ البتہ خود دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس وقت تالیہ کی خوش گفتاری سننے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ چھوٹا اور سادہ سا کمرہ تھا۔ تالیہ کا کمرہ۔ اس بھاری بھرکم عورت نے اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی اور تالیہ کو کرسی پہ بٹھا کے اس کے ہاتھ دوپٹے سے پیچھے باندھ دیے تھے۔ میز پہ قلم کاغذ رکھا تھا۔ تالیہ کا سر جھکا تھا اور وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ عورت آگے آئی اور اس کا چہرہ زبردستی اوپر اٹھایا۔

"شکر کرو شفقت بھائی نے مجھے گھر پہ بلا لیا، سب انسپکٹر دردانہ نام ہے میرا۔ جانتی ہو تم مجھے اچھی طرح۔ بلکہ پورا علاقہ واقف ہے مجھ سے۔ تھانے لے کر جاتی تو تم ایک گھنٹے کی مار برداشت نہ کر سکتی۔" جھٹکے سے اس کی تھوڑی چھوڑی۔ اس کا بھیگا چہرہ پرے لڑھک گیا۔

عورت اب اس کے سر پہ جھکی غرا کے کہنے لگی۔ "اس کاغذ پہ اعترافِ جرم لکھو کہ کس طرح تم نے دادا جی کو زہر دینے کی کوشش کی۔ ورنہ میں تمہارا وہ حال کروں گی کہ تم یاد رکھو گی۔"

"مجھے دادا جی کے پاس لے جاؤ۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔" وہ روتے بلکتے ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ تھانیدارنی نے زور کا جھانپڑ اس کے چہرے پہ رسید کیا۔ وہ کرسی سمیت نیچے جا گری۔ دردانہ جھکی اور گردن سے دبوچ کے اسے اٹھایا۔

''جو میں کہہ رہی ہوں وہ لکھو۔ بلکہ لکھ تو میں نے دیا ہے' اس پہ دستخط کر دو۔''

وہ اسٹامپ پیپر تھا اور وہ تیار تھا۔

تالیہ کے آنسو یکدم رک گئے۔ وہ بالکل ٹھہر گئی۔ چند لمحے کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچتے سر اٹھایا اور دردانہ کو دیکھا۔ ''اچھا... کہاں کرنے ہیں سائن؟'' وہ بدلے ہوئے انداز میں بولی تو دردانہ نے گہری سانس لی۔ اور پیچھے سے آ کر اس کے ہاتھ کھولنے لگی۔

''اسی کاغذ پہ... بالکل نیچے... جہاں تمہارا نام لکھا ہے... اور ساتھ تاریخ بھی ڈالو۔'' وہ دوپٹے کی گرہیں کھول رہی تھی۔

''اگر میں سائن کر دوں تو تم مجھے دادا جی سے ملنے دو گی؟''

دردانہ اس کے پیچھے کھڑی تھی' اس بات پہ تلخی سے مسکرائی مگر بظاہر نرمی سے بولی۔ ''ہاں۔ بالکل۔''

''اچھا۔ میں کر دیتی ہوں سائن۔'' وہ رضامندی سے جلدی سے بولی اور گردن کاغذ پہ جھکا لی۔ اب وہ تحریر پڑھ رہی تھی۔ دردانہ نے آخری گرہ کھولی تو اس نے ہاتھ کھینچ لئے اور قلم اٹھا لیا۔ پھر کاغذ چہرے کے سامنے لائے تحریر پڑھنے لگی۔ وہ تحریر جس کے مطابق وہ دادا جی کو مارنے کا اعتراف کر رہی تھی۔

دردانہ گہری سانس بھر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ تالیہ نے کاغذ میز پہ رکھا اور سائن کرنے جھک گئی' ساتھ ہی منہ میں کچھ بولی۔ دردانہ نے ابرو اٹھایا۔ ''کیا؟''

وہ پھر جھکے جھکے کچھ بڑبڑائی۔ دردانہ نے اکتا کے چہرہ جھکایا۔ ''کیا بک رہی....''

اس کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ تالیہ کی مٹھی کی پشت زور سے اس کی ناک پہ آ لگی تھی۔ دردانہ تیورا کے پیچھے کو لڑھکی۔ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سنبھل نہیں پائی تھی' مگر یہ اختتام نہ تھا۔ یہ صرف آغاز تھا۔

''مجھے مارا تم نے؟ ہاں؟ تالیہ بنتِ مراد کو مارا تم نے؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس پہ جھپٹی اور اسے گردن سے پکڑ کے اٹھایا' پھر تابڑ توڑ اس کے چہرے پہ مکے مارنے لگی۔ دردانہ نے چلاتے ہوئے اس کے بال کھینچے مگر تالیہ بھی کافی صحت مند تھی' اور اس کا جنون اور جوش کہیں زیادہ تھا۔ چند لمحوں میں اس نے دردانہ کو پھر سے نیچے گرا دیا اور کرسی اٹھا لی۔

''میں تالیہ بنتِ مراد ہوں.... میں محلوں میں رہنے کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ میں دنیا پہ حکمرانی کرنے کے لئے بنی ہوں۔ مجھے مارا تم نے؟'' وہ دیوانہ وار کرسی کی ٹانگ اس پہ برسائے جا رہی تھی۔ دردانہ زمین پہ گری دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہی تھی' اس کے سر سے خون بہنے لگا تھا مگر تالیہ اسے مارے جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد جب تالیہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تو باہر راہداری میں کھڑے ابا' امی اور جبران نے پر امید نظروں سے اس طرف

دیکھا....دروازہ کھلتا گیا اور جو منظر سامنے آیا....اس سے ان کی مسکراہٹیں سمٹیں۔

سامنے کرسی پہ دردانہ بے حال' خون آلود چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی' اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے اور گردن نقاہت سے ڈھلکی تھی۔امی کا منہ شاک سے کھل گیا۔

''دردانہ!''اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتیں' دروازے کی اوٹ سے وہ نکل کے سامنے آئی۔

الجھی پونی سے نکلتے بال' ماتھے پہ گومڑ اور خون....سرخ انگارہ ہرنی جیسی آنکھیں' اور ہاتھ میں پکڑی چھری۔(جو وہ الماری میں رکھتی تھی' چوری شدہ پھل رات گئے کاٹ کے کھانے کے لئے!)اس چھری کو لہراتے ہوئے وہ ان سب کو گھورتی آگے آئی۔

''اور کس کو کروانا ہے مجھ سے اعترافِ جرم۔ہاں؟اور کون مجھے مارنے آئے گا؟کس میں ہمت ہے کہ اب وہ تالیہ کو ہاتھ بھی لگائے!''

ابا تو وہیں کھڑے رہے مگر امی دو قدم پیچھے کو ہٹ گئیں۔

''اب ہٹو سامنے سے تم لوگ۔مجھے دادا جی سے ملنا ہے۔''وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ غرا کے بولی تھی۔''اور اگر کوئی درمیان میں آیا تو میں اس کی جان لے لوں گی۔''

''اس کو....اس کو نہ چھیڑو شفقت بھائی۔''پیچھے سے نڈھال سی بندھی ہوئی دردانہ درد سے چلائی۔''یہ واقعی مار دے گی آپ کو۔یہ پاگل ہو چکی ہے۔''

''تالیہ....''جبران نے پکارا تو تالیہ نے غصے سے اس کو دیکھا۔

''تم نے کیا ہے یہ سب ان کے ساتھ مل کے۔میں دادا جی کو تم لوگوں کی اصلیت بھی بتاؤں گی اور ثبوت بھی دکھاؤں گی۔میں تم لوگوں کو....''

''تالیہ دادا جی کا کچھ دیر پہلے ہارٹ فیل ہو گیا ہے....دادا جی مر گئے ہیں تالیہ۔''وہ بنا کسی دکھ کے بے تاثر سا بولا۔

تالیہ کے کندھے ڈھلک گئے۔چھری والا ہاتھ پہلو میں آ گرا۔چند لمحے وہ ساکن سی کھڑی رہی....پھر بے اختیار سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔تیز تیز زینے پھلانگے اور دھاڑ سے ان کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

جبران درست کہہ رہا تھا۔

دادا جی جا چکے تھے۔

اسے دیر ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

لب بھینچے' سر جھکائے' اس نے جھٹکے سے رسی کی آخری گانٹھ کھولی تو ایڈم کے ہاتھ کھل گئے۔وہ جلدی جلدی باقی رسی خود اتارنے

لگا۔سوچا شکریہ کہے مگر چے تالیہ کا جواب خوشگوار نہیں آنا تھا۔اس لیے خاموش رہا۔

وہ واپس مڑی اور اس سے قبل کہ وہ فاتح کی طرف آتی' گھوڑا گاڑی کی رفتار سست ہونے لگی۔ وہ تینوں بری طرح چونکے۔ فاتح نے گردن موڑ کے پنجرے کی سلاخوں سے دیکھا۔ گاڑی کے سامنے کیا آیا تھا جو وہ رکی تھی' معلوم نہیں پڑتا تھا' مگر اتنا نظر آتا تھا کہ سامنے کوئی لمبی چوڑی سی دیوار تھی۔

''یہ کیسی دیوار ہے؟'' تالیہ اپنی طرف سے جھانکنے کی سعی کر رہی تھی مگر کچھ واضح نہ تھا۔

''یہ شہر کی فصیل ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''ملاکہ شہر کی فصیل۔''

وان فاتح کے الفاظ تھے کہ کیا... تالیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

وہ تاریخی شہر... سلطنتِ ملاکہ کا دارالحکومت ''ملاکہ'' ان کے سامنے تھا... جہاں سلاطین کے محل تھے.... جہاں شہزادیاں رہتی تھیں.... کیا وہ واقعی ملاکہ میں داخل ہونے والے تھے؟

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

گھوڑا گاڑی رک چکی تھی۔ چند افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ تالیہ نے سننے کی کوشش کی۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ یہ شہر کی فصیل ہی ہے کیونکہ گاڑی بان غالباً کسی پہریدار سپاہی سے کہہ رہا ہے کہ وہ کسی....'' اس نے کان لگا کے غور سے سننا چاہا۔''کسی 'ابوالخیر' کا آدمی ہے اور اس کے پاس قیمتی سامان ہے۔ اب فصیل کا سپاہی اس کو اندر جانے کی اجازت دے رہا ہے۔'' وہ سن کے ترجمہ کر رہی تھی۔

بھاری گیٹ کھلنے کی آواز آئی اور گاڑی پھر سے چل پڑی۔

تالیہ نے جلدی سے رسیاں واپس ہاتھوں اور گردن میں لپیٹ لیں' یوں کہ لگے وہ ہنوز مقید بیٹھی ہے۔ اسے دیکھ کے ایڈم نے بھی تقلید کی۔

اب وہ تینوں دم سادھے بیٹھے تھے۔

گھوڑا گاڑی اب شہر کے اندر داخل ہو چکی تھی......

☆......☆......☆

چھوٹے بنگلے میں اگربتیوں کی مہک پھیلی تھی۔ لاؤنج میں سفید چادریں بچھی تھیں جن پہ جا بجا کھجور کی گٹھلیوں کے ڈھیر لگے تھے۔ فضا میں بریانی کی خوشبو بھی رچی بسی تھی۔ چادریں البتہ خالی تھیں۔ لوگ مردے کو پڑھ بخش کے جا چکے تھے۔ وہاں صرف وہ بیٹھی تھی۔ سر پہ سفید دوپٹہ اوڑھے' اکڑوں بیٹھی' گھٹنوں پہ گال ٹکائے۔ آنسو آنکھ میں ہنوز اٹکا تھا۔ ماتھے کا گومڑ اب نیلا ہو چکا تھا۔

دفعتاً شفقت صاحب اندر داخل ہوئے۔ چادروں کے ایک طرف جوتے اتارے اور ننگے پاؤں چلتے اس کے قریب آئے اور سامنے بیٹھے۔

''تالیہ۔'' انہوں نے آہستہ سے پکارا۔ نہ سخت لہجہ تھا' نہ نرم۔ بس مطمئن۔ وہ گھٹنے پہ گال رکھے بیٹھی دور خلاء میں دیکھتی رہی۔

''گھر کی بات تھی' اس لئے میں نے تھانے کچہری کے معاملات کو سنبھال لیا ہے۔ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کرے گی۔ سمجھو معاملہ رفع دفع ہو گیا ہے۔''

دادا جی نے اس کے نام دو کانوں کا انتقال ہی نہیں کروایا تھا ابھی اس لیے یقیناً انہوں نے جبران سے مل کے سب کچھ آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ اب تالیہ کو سزا دینا بے کار تھا۔

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ پلکوں کے کنارے پہ آنسو اٹکا تھا' مگر گرتا نہیں تھا۔

''تمہارے لئے ایک میرج بیورو سے بات کی تھی۔ ایک اچھا رشتہ ڈھونڈا ہے ہم نے۔ لڑکا ملائیشیاء کا ہے۔ تمہارے ملک کا۔ اگلے ہفتے نکاح ہو گا اور چند دن بعد تم ملائیشیاء چلی جاؤ گی۔ ہم تمہیں اچھا زیور اور کپڑے دے کر رخصت کریں گے اور ہمارے سارے فرائض ادا ہو جائیں گے۔ جو تم نے چاچا جی کے ساتھ کیا' اس کی معافی تم خدا سے مانگتی رہنا' مگر آئندہ ہمارا تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہو گا۔''

وہ جب اسی طرح بت بنی بیٹھی دوسری طرف دیکھتی رہی' تو وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرے پاس کبھی جیب خرچ جتنے پیسے جمع نہیں ہوئے' لیکن جب بھی کچھ بچا پاتی' تو ایک تنظیم کو خیرات کے طور پہ بھیجتی جو ایشیاء کے مختلف ممالک میں کام کر رہی ہے۔'' وہ دیوار کو دیکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بولی تو وہ وہیں رک گئے۔

''وہ تنظیم ایک مہم چلا رہی ہے جس کے تحت یتیم خانوں میں وولینٹیر پروگرام کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ وولینٹیر پروگرام سمجھتے ہیں آپ کیا ہوتے ہیں؟ جب اسٹوڈنٹس یا سوشل ورکرز رضا کار بن کے چند دن کے لئے یتیم خانے میں آتے ہیں' بچوں کے ساتھ وقت بتاتے ہیں' اپنی رپورٹس' تھیسز' اور پیپرز لکھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور ان کو لگتا ہے وہ بہت نیک کام کر کے گئے ہیں' مگر نہیں۔'' اس کی دوسری آنکھ میں بھی آنسو اٹک گیا مگر گرا نہیں۔

وہ وہیں کھڑے اس کو سنے گئے۔

''یہ رضا کار یتیم بچوں کو ظالم وارڈن سے زیادہ نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ چند دن میں بچے ان کے ساتھ ایک بونڈ بنا لیتے ہیں۔ ہر اجنبی کو دیکھ کے بچوں کو لگتا ہے وہ ان کو ایڈاپٹ کر لے گا مگر جب وہ اپنے بھرے کاغذوں اور رجسٹرز کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں تو بچے کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ ساری عمر کے لئے دوبارہ کسی سے محبت کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔''

شفقت صاحب وہیں کھڑے اس کے جھکے سر کو دیکھے گئے۔ جیسے بدقت برداشت کر رہے ہوں۔

وہ دیوار کو دیکھتی رندھی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''اور اگر کبھی وہ زندگی میں آگے جا کر کسی اجنبی کو اپنا مان بھی لے' اور اس سے محبت کر بھی بیٹھے' تو بھی آخر میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ بغیر خون کے رشتے پھیکے ہی ہوتے ہیں اور خون ہمیشہ جیت جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی سے محبت کرنا' کسی سے اٹیچ ہونا اس بچے کے لئے نا ممکن بن جاتا ہے۔ اسی لئے میں اتنے سال اس تنظیم کو خیرات دیتی رہی تا کہ دوبارہ کوئی رضا کار' کوئی اجنبی کسی یتیم بچے کا دل نہ توڑ سکے۔''

وہ اب خاموش ہوگئی تھی۔ چہرہ ہنوز گھٹنوں پہ رکھا تھا اور آنسو ٹپک کے ہی نہ دے رہے تھے۔ شفقت صاحب نے سر جھٹکا اور اپنے ننگے پیر دروازے کی طرف بڑھا دیے۔ (تالیہ کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے اسے یتیم خانے سے آزادی دی۔ اس کو چھت دی۔ اس کو پال پوس کے بڑا کیا۔ اب اس کی شادی کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے کسی غریب بچی کے لیے؟ غربت کی وجہ سے ہی والدین نے اسے یتیم خانے میں پھینکا ہوگا۔ اگر اپنے اصل گھر میں پلتی بڑھتی تو فقیروں کی سی زندگی گزارتی۔ مگر بھئی انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' وہ افسوس کرتے باہر نکل گئے۔

اگربتی کی مہک کافور میں گھل کے عجیب سی خوشبو بنا رہی تھی۔ ایسی خوشبو جو اعصاب کو مزید بھاری کر دیتی ہے۔

☆......☆......☆

اندھیرا ملاکہ شہر پہ پھیلا تھا۔ گھوڑا گاڑی سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں اطراف میں اندھیرا تھا۔ کہیں ایک منزلہ کمرے سے بنے تھے۔ کہیں ریڑھیاں رکھی تھیں جن کے اوپر چادریں پڑی تھیں۔ کہیں گھوڑے بندھے تھے۔ اِکا دُکا مشعل کسی مکان کے سامنے روشن تھی تو تھی' ورنہ ہر طرف اندھیرا تھا۔ گھوڑا گاڑی اب ایک گلی میں مڑ گئی تھی۔ دونوں اطراف میں چاندنی میں واضح ہوتے مکان بنے تھے۔ بالائی منزلیں سن باؤ کے گھر جیسی تھیں۔ ویسی ہی بالکونیاں.... ویسے ہی دالان۔ وہ سلاخوں سے چہرہ لگائے' محویت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس خاموش سوئے ہوئے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

عجیب قدیم شہر تھا.... عجیب قدیم مکان تھے......

بالآخر گھوڑا گاڑی ایک بڑے گیٹ کے سامنے جا رکی۔

آگے کیا ہوگا؟ تالیہ کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا.....

☆......☆......☆

کوالالمپور کا خوبصورت شہر اس دوپہر بہت روشن دکھائی دیتا تھا۔ سڑک کنارے ایک اخبار کے اسٹال پہ وہ رکی کھڑی تھی۔ کوالالمپور آنے' اور سمیع سے چھٹکارا پانے کے چند ماہ کے اندر وہ خوش خوراکی کے باعث مزید بھری بھری سی ہوگئی تھی۔ گال پہلے سے زیادہ پھول گئے تھے۔ ایسے میں وہ اخبار میں چھپے وان فاتح کے انٹرویو کو دیکھ رہی تھی جب دکاندار نے اس کو چناؤ کا کہا۔ اس نے اخبار اور پھولوں

کا تاج دونوں پکڑ رکھے تھے۔

"آپ کو اخبار چاہیے یا تاج؟ یا دونوں؟"

اور تالیہ نے چند لمحوں میں ہی چناؤ کر لیا تھا۔اس نے اخبار چھوڑ دی۔اور تاج سر پہ رکھ لیا۔وہ پھولوں سے بنا تھا اور پھول بھاری نہیں ہوتے۔وہ اپنے فیصلے پہ مطمئن سی فٹ پاتھ پہ آگے چل دی۔

اسے پارلر پہنچنا تھا جہاں اس کی شفٹ کا وقت ہونے والا تھا۔تاج کے باعث فٹ پاتھ پہ چلتے لوگوں نے کئی بار مڑ کے اسے دیکھا تھا۔کسی نے ستائشی فقرہ بھی کہا۔وہ بے نیاز سی چلتی گئی۔

ایک دم سے ٹپ ٹپ کی آواز سنائی دی۔اس نے چونک کے گردن اٹھائی۔پتہ بھی نہ چلا تھا اور آسمان نے اپنے تھال الٹ دیے تھے۔موسلا دھار بارش یکا یک شروع ہوگئی تھی۔اس کے پاس چھتری نہ تھی۔وہ بھاگ کے دو کانوں کے چھجے تلے آکھڑی ہوئی۔مگر ان چند قدموں کے فاصلے نے ہی اسے بھگو ڈالا تھا۔

منہ بسورے اس نے سر کا تاج اتارا تو دیکھا' سفید اور زرد پھول گیلے ہو کے ادھڑنے لگے تھے۔ان کو جوڑنا چاہا تو ایک طرف سے تین زرد گلاب ٹوٹ کے قدموں میں آگرے۔وہ بے اختیار نیچے جھکی اور زمین پہ گرے پھولوں کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا....

گیلی زمین پہ گرے زرد گلاب....ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔

چند منٹ بعد بھیگی ہوئی تالیہ ایک دفتر کے اندر کھڑی تھی۔کرسی پہ بیٹھا شخص اسے سامنے والی کرسی پیش کر رہا تھا مگر وہ عجلت میں کھڑی ہی رہی۔

"اگر اخبار میں ایک اشتہار لگوانا ہو تو کتنے پیسے لگیں گے؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔دفتر کے شیشوں پہ بارش تڑاتڑ برسے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

گھوڑا گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوگئی۔آگے چار دیواری کے اندر کھلا سا احاطہ تھا۔وہاں دور دور تک گھوڑے بندھے نظر آرہے تھے۔دیواروں پہ چند مشعلیں روشن تھیں جن کے باعث منظر نامہ نیم روشن تھا۔

گاڑی کو روک کے چند افراد نے وہ پنجرہ اٹھایا اور اسے نیچے لا اتارا۔پھر ایک کونے میں رکھ کے خود آگے بڑھ گئے۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا۔جیسے سب ان کو بھول کے سونے جا چکے ہوں۔نیم اندھیرا اور سناٹا۔فاتح نے گردن اونچی کر کے دیکھا۔کچی مٹی کے احاطے میں ایک جگہ بجھی ہوئی لکڑیاں رکھی تھیں گویا شام میں جلتی رہی ہوں گی۔ایک کونے میں کنواں بنا تھا۔سامنے بہت سے گھوڑے قطار میں تھے۔

''یہ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟'' تالیہ کی آواز پہ وہ چونکا۔ وہ الجھی ہوئی سی سوال کر رہی تھی۔ ''کیا یہ ہمیں مار دیں گے؟''

''اگر مارنا ہوتا تو اتنی اچھی غذا نہ دیتے۔'' وہ بولا تو تالیہ نے ایک نظر پنجرے کے دروازے پہ ڈالی۔

''اس کو باہر سے تالہ لگا ہے۔ اگر ہم کھول بھی لیں تو اس عجیب شہر میں ہم کہاں جائیں گے' تو انکو؟ میرے بابا جانے کہاں ہوں گے۔ کس سے راستہ پوچھیں گے؟'' اس نے اپنے ہاتھ کی کھلی رسیوں کو مایوسی سے دیکھا۔ ''ہم یہ رسیاں کھول کے بھی قید ہی ہیں۔''

''تالیہ.... ادھر دیکھو.... تالیہ۔'' فاتح نے سختی سے پکارا تو تالیہ نے اداسی سے سر اٹھایا۔

''تم پہ پھر سے چار دن پہلے والی قنوطیت طاری ہو رہی ہے۔ ایسے مت کرو۔ مجھے نہیں معلوم تم زندگی میں کن حالات سے گزر چکی ہو' مگر میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ماضی کا ہر واقعہ ہمیں مستقبل کے امتحان کی تیاری کروانے کے لئے پیش آتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم پھر سے ہمت ہار دو۔ ہم تمہارے بابا کے بہت قریب ہیں۔ اس لئے شاباش.... ہمت کرو اور دروازہ کھولو.... یا میرے ہاتھ کھولو تاکہ میں اس کو توڑنے کی کوشش کروں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن اٹھالی۔ ساری اداسی اس قدیم فضا میں اڑ کے خاک ہو گئی۔

''آپ کی ریڈنگ گلاسز آپ کی جیب میں ہیں نا؟'' وہ ذرا پرسکون انداز میں سوال کرنے لگی تو فاتح کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''ہاں کیوں؟'' وہ بندھے ہاتھ بدقت جیب تک لے گیا' عینک نکالی اور اس کی طرف اچھالی۔ تالیہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے فضا میں کیچ کر لیا۔ پھر عینک کھولی اور کڑک کی آواز کے ساتھ اس کا بازو توڑ دیا۔ پھر سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکال کے تالے میں عینک کے ٹوٹے بازو کا نوکیلا حصہ ڈالا' اور گھمانے لگی۔

''یہ سب تم نے کہاں سے سیکھا؟'' وہ متحیر ہوا تھا۔ ایڈم البتہ چپ رہا۔ چے تالیہ کی تعریف کا کوئی موڈ نہیں تھا اس کا۔

سلاخوں سے لگی' بازو باہر لے جا کے تالے کے اندر ''چابی'' گھماتی تالیہ فاتح کو دیکھ کے مسکرائی۔

''ایک جادوگر سے!''

عینک کے ہینڈل کی پن تالے کے اندر کی پنوں کو دھیرے دھیرے کھول رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک کیفے تھا جہاں کونے والی کرسی پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ گال تلے رکھے' وہ دوسرے ہاتھ سے میز بجاتی منتظر سی نظر آتی تھی۔ نظریں دروازے پہ لگی تھیں۔ میز پہ ایک اخبار بھی پڑا تھا جس میں ایک واضح اشتہار سامنے نظر آ رہا تھا۔

''میرے فادر جن کا نام ذوالکفلی ہے کچھ عرصے سے لاپتہ ہیں۔ میں ان کو اس پیغام کے ذریعے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں ہر شام مندرجہ ذیل پتے پہ ان کا انتظار کرتی ہوں۔ میرے پاس ان کا دیا زرد گلاب اور کھوٹا سکہ اب بھی موجود ہے اور میں ان کے پلٹ کے آنے کی آج تک منتظر ہوں۔ اگر ان کو میرا احسان یاد ہے تو براہِ مہربانی پلٹ آئیں۔ تالیہ!''

ساتھ میں کتاب میں رکھے ایک سوکھے زرد گلاب اور کھوٹے سکے کی تصویر بھی شائع کی گئی تھی جو وہ ہمیشہ اپنے سامان میں اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اتنے برس تک تالیہ نے اس پھول کو نہیں کھویا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک ہیٹ والا آدمی اندر داخل ہوا۔ ہیٹ اس نے ماتھے پہ جھکا رکھی تھی۔ صرف ہونٹ نظر آتے تھے۔ یا چھوٹی چھوٹی سفید سیاہ داڑھی۔

وہ سیدھا اس کی میز تک آیا اور کرسی کھینچی۔ پھر ہیٹ اتار کے رکھا تو چہرہ واضح ہوا۔

ذوالکفلی اب بوڑھا ہو گیا تھا۔ سر کے بال آدھے سفید تھے۔ جیب میں زرد پھول بھی نہ تھا مگر آنکھیں وہی تھیں۔ مسکرا کے اس نے تالیہ کو دیکھا۔

''کتنے دن سے اشتہار دے رہی ہو، تالیہ؟''

وہ گال ہتھیلی پہ جمائے اسے دیکھتی مسکرائی۔ ''آٹھ دن سے۔ شہر کے تینوں بڑے اخبارات میں۔ وہ اس عجیب وغریب سے اشتہار پہ حیران ہوتے ہیں مگر میں جانتی تھی، یہ آپ کی نظروں سے ضرور گزرے گا۔''

وہ صرف مسکرا دیا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں۔ ''آئی ایم سوری۔ میں کسی الوداع کے بغیر ہی چلا گیا، لیکن میں نے کبھی تمہیں ایڈاپٹ کرنے کی امید نہیں دلائی تھی۔ مجھے معاف کر دینا اگر ایسا ہوا ہو تو۔''

''مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ کم از کم اب نہیں۔''

''شاید تب بھی نہیں تھا، تبھی تم نے غلط خاکہ بنایا تھا۔ پولیس میں میرے مخبر بھی ہوتے ہیں، خبر مل ہی جاتی ہے۔ وہ تمہارا احسان تھا۔ میں شکر گزار ہوں۔ بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ ہاتھ باہم پھنسائے سنجیدگی سے اس کی طرف جھکا۔

''میں چاہتی ہوں آپ مجھے اپنی طرح بنا دیں۔ بہروپیہ۔ چور۔''

ذوالکفلی کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ وہ ایک دم پیچھے ہوا۔ ''تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ تم تو اتنی پیاری لڑکی ہو۔ تمہیں یہ سب نہیں سوچنا چاہیے۔''

وہ اسی طرح ہتھیلی پہ چہرہ جمائے بیٹھی اطمینان سے اسے دیکھے گئی۔

''مجھے فیری ٹیلز میں وہ شہزادیاں نہیں پسند ذوالکفلی صاحب جو ایک زہریلا سیب کھا کے مر جاتی ہیں.... یا گھڑی کے بارہ بجاتے ہی خوابوں کی تقریب چھوڑ کے بھاگ جاتی ہیں۔ جنہیں کوئی بھی بھیڑیا دادی کے کپڑے پہن کے بے وقوف بنا سکتا ہے۔ مجھے تو وہ شہزادیاں پسند ہیں، جو زہر کی بو کو میلوں دور سے سونگھ سکیں... جو اپنی شیشے کی جوتی محل سے خود کھینچ کے واپس لے آئیں۔ جو اپنے جسم سے سوئیاں نکالنے کے لئے شہزادوں کا انتظار نہ کریں... جو اپنی ہر شے کو برف بنا دینے کی صلاحیت سے خوفزدہ نہ ہوں... جو ونڈر لینڈ میں خود کو

جان بوجھ کے گم کرلیں جب کہ ان کو سارے راستے آتے ہوں اور جب وہ کسی beast کے قلعے میں داخل ہوں تو ان کو اچھی طرح معلوم ہو کہ اندر کیا ان کا منتظر ہے۔سوذوالکفلی صاحب' میں پیاری لڑکی ہوں نہ بننا چاہتی ہوں۔ میں وہ ظالم لڑکی بننا چاہتی ہوں جو ایک دن اپنے محل میں راج کرے گی' اپنی مرضی کی شہزادی بن کے۔''

وہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔بس بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گیا۔

''تم کہاں رہ رہی ہو؟'' کوئی سحر سا ٹوٹا تو اس نے سوال کیا۔

''ایک نئی دوست کے ساتھ جو ائیر پورٹ پہ ملی تھی۔لیانہ صابری۔مگر اس کو نہیں معلوم کہ میں آپ سے رابطے میں ہوں۔جو میرے اور آپ کے درمیان ہوگا' وہ ہمارے درمیان ہی رہے گا۔وہ میرے ہر کام میں میرا ساتھ دے گی مگر میں یہ چھوٹے موٹے ای میل اسکام نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے بڑے کام کرنے ہیں۔''

''تمہیں ان بڑے کاموں کی قیمت ساری زندگی چکانی پڑے گی۔تمہاری نیک روح بدی سے داغدار ہو جائے گی۔''

''مجھے پرواہ نہیں ہے۔کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟''

''ہاں!'' ذوالکفلی نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔''تمہیں میں کوالالمپور کی بہترین کون آرٹسٹ بنا سکتا ہوں۔تمہارے اندر نیچرل ٹیلنٹ ہے کہانی بازی کا۔اور تم ذہین بھی ہو۔لیکن تمہیں اپنا وزن کم کرنا ہوگا۔''

تالیہ نے گال تلے سے ہاتھ ہٹایا اور حیرت سے اسے دیکھا۔''اچھا ٹھیک ہے میں موٹی ہوں مگر وزن کا اس کام سے کیا تعلق۔''

''تم نے کہا تم 'بہترین' بننا چاہتی ہو۔کسی بھی فیلڈ میں بہترین بننے کے لئے سستی اور موٹاپے سے نجات ضروری ہے۔ جتنا انسان فٹ ہوتا ہے' اتنا اس میں اسٹیمنا ہوتا ہے اور اتنی وہ محنت کر سکتا ہے۔اگر تم کچھ سیکھنا چاہتی ہو تو پہلے پچیس کلو وزن کم کرو۔اور پھر مجھے اس ای میل ایڈریس پہ میل بھیجو۔اس سے پہلے میں تمہیں کچھ نہیں سکھا سکوں گا۔'' اس نے ایک چٹ سامنے رکھی۔جس پہ ایک ای میل ایڈریس درج تھا۔تالیہ نے اچنبھے سے چٹ اٹھائی۔

''میں ساتھ ساتھ وزن کم کرلوں گی' کیا آپ ابھی سے....''

''ہرگز نہیں۔موٹے لوگ بے کار لوگ ہوتے ہیں۔مجھے چڑ ہے موٹے لوگوں سے۔وہ اس بات سے واقف ہی نہیں ہوتے کہ پتلا اور فٹ ہونا ان کی زندگی کو کیسے روشن کر سکتا ہے۔اور جو لوگ اپنے وزن کو محنت سے کم کر کے خود کو فٹ کر لیتے ہیں' وہ اپنی اپنی فیلڈ میں بہت آگے جا پہنچتے ہیں۔میں موٹاپے کی لعنت کے ساتھ کسی کے ہمراہ کام نہیں کر سکتا۔پچیس کلو۔ٹھیک!'' تنبیہہ کرتے ہوئے سنجیدہ چہرہ بنائے وہ اٹھا' اور ہیٹ اٹھا کے سر پہ رکھا۔وہ چٹ ہاتھ میں لئے گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''میں تمہیں دنیا کا ہر کام سکھا دوں گا۔تم منٹوں میں بہروپ اور آوازیں بدل لوگی۔تنگ سوراخوں سے گزر جایا کرو گی۔تالے

تمہارے ہاتھ میں آتے ہی کھل جایا کریں گے۔تم ہر کام سمجھ لوگی۔ایسا نہیں ہے کہ تمہیں ہر کام ''کرنا'' بھی آ جائے گا' لیکن تم لوگوں کو کنوینس کرسکوگی کہ تم سب کرنا جانتی ہو۔اس لیے جب تیار ہو جاؤ تو مجھ سے رابطہ کرنا۔'' ایک آخری نظر اس پہ ڈال کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور وہ گم صم سی اس ہیٹ والے پراسرار آدمی کو جاتے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

عینک کا ہینڈل تالے کے سوراخ میں وہ مختلف زاویوں سے گھما رہی تھی۔ یہاں تک کہ کھٹک کی آواز کے ساتھ وہ کھل گیا۔تالیہ مسکرائی اور تالہ نکال کے زمین پہ گرا دیا۔پھر فاتحانہ نگاہوں سے ان کو دیکھا۔

''صدیوں سے قدیم چینی تالے ایک ہی طرز پہ بنتے آرہے ہیں۔ یہ تو کافی آسان تھا۔'' اس نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور باہر اتری۔ٹانگیں سیدھی کرنے پہ درد اور تکان محسوس ہوئی مگر ساتھ میں خوشگوار احساس بھی ہوا۔وہ آزاد تھی۔

اسی پل سامنے دیوار سے بندھا کھڑا گھوڑا زور سے ہنہنایا۔تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اپنے مالکوں کا وفادار جانور اس کو باہر نکلتے دیکھتے ہوئے زوردار آوازیں نکال رہا تھا۔وہ جلدی سے مڑی۔

''ایڈم....فاتح صاحب کی رسی کھولو....ہمیں نکلنا ہوگا اس سے پہلے کہ وہ لوگ باہر نکل آئیں۔'' اس کی ہراساں نظریں عمارت کے بند دروازوں پہ جمی تھیں جہاں سب سونے اندر جا چکے تھے۔ایڈم نے جلدی جلدی اپنے پیر کھولے پھر فاتح کے ہاتھوں کی طرف آیا۔

''ایڈم جلدی کرو۔'' وہ دبا دبا سا چلائی

دوسرے گھوڑے بھی ایک ساتھ آوازیں نکالنے لگے تھے۔ایک نے فضا میں اگلے ٹاپ بھی بلند کر دیے۔عمارت کے اندر سے آوازیں آنے لگیں....جیسے لوگ جاگ گئے تھے۔

''ایڈم!'' وہ چیخی۔

''میں کھول رہا ہوں۔'' وہ بدحواسی سے فاتح کے ہاتھوں پہ بندھی رسی کی گانٹھ ڈھونڈ رہا تھا۔اندھیرا اور اتنی گانٹھیں....کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔یکدم فاتح نے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے۔ایڈم نے چونک کے سر اٹھایا.....

''تم جاؤ....'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔''تم دونوں جاؤ اور مراد کو ڈھونڈو۔''

تالیہ سناٹے میں رہ گئی۔''نہیں....ہم آپ کو کیوں چھوڑ دیں؟ نہیں۔''

''بےوقوفی مت کرو' وہ لوگ جاگ گئے ہیں' وہ پہنچ گئے تو ہم تینوں پھنس جائیں گے۔جاؤ۔بھاگو۔'' وہ اب کے برہمی سے اونچا سا بولا۔ہاتھ اس نے پرے کر لئے تھے۔ایڈم شاکڈ تھا۔

''سر....ہم کیسے....آپ کا کیا ہوگا؟''

”وان فاتح کو زندگی میں کبھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔تم دونوں میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔میں اپنا معاملہ خود سنبھال لوں گا۔تم جاؤ۔جاؤ۔“

تالیہ نے بے یقینی اور خوف سے اسے دیکھا....پھر عمارت کو۔اندر سے آوازیں آ رہی تھیں۔کھڑکیوں کے پٹ کھلے پھر دروازے....اس نے بے بس نگاہ فاتح پہ ڈالی۔وہ اس نگاہ کو سمجھ گیا تھا۔

”تم نے کہا تھا اگر سارے ملائیشاء میں میرے ساتھ صرف ایک شخص کھڑا ہو تو وہ تم ہو گی۔کوئی بھی انسان میری بات ماننے والا نہ رہے‘ تم تب بھی میری بات مانو گی۔کیا تمہیں وعدے نبھانے آتے ہیں‘ تالیہ؟“

تالیہ کے دل پہ زوردار پتھر آ گرا۔اس نے ایڈم کو دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔”بھاگو ایڈم۔“ پھر دوبارہ فاتح کو دیکھا۔”تالیہ آپ کو بچانے آئی گی‘ تالیہ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گی‘ تو انکو۔“

مگر پنجرے میں بیٹھا شخص شانے اچکا کے بولا تھا۔”No Offence مگر فاتح کو کبھی کسی کی مدد یا ساتھ کی ضرورت نہیں پڑی۔میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔اب جاؤ۔“

یہ حکم تھا۔

وہ دونوں پیچھے دیکھے بنا ایک ساتھ بھاگے تھے۔

☆......☆......☆

عمارت کے دروازے یکے بعد دیگرے کھلے۔دو تین آدمی ہڑبڑائے ہوئے سے باہر آئے۔ایک کی نظر دور گیٹ پہ پڑی جس کا بڑا سا کنڈا تالیہ کھول رہی تھی۔

”روکو....پکڑو!“ وہ حواس باختہ سا چلایا مگر تالیہ کنڈا کھول چکی تھی۔

گیٹ کھل گیا۔اور وہ دونوں باہر بھاگ گئے۔

پنجرے میں بیٹھے وان فاتح نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ہر طرف ان لوگوں کی روکو پکڑو کی پکار مچ گئی تھی۔کسی نے مشعل اٹھائی‘ کسی نے گھوڑے پہ چھلانگ لگائی۔بہت سے لوگ گیٹ کے پار ان کے تعاقب میں دوڑتے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ آنکھیں موندے اکڑوں بیٹھا تھا۔آریانہ دھیرے سے اس کے قریب آ بیٹھی۔

”کیا آپ کو واقعی کسی کی ضرورت نہیں ہے‘ ڈیڈ؟“

فاتح نے آنکھیں کھولیں۔سفید لباس والی آریانہ پلکیں جھپک جھپک کے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ مدھم سا مسکرایا۔

”کبھی پڑی تو نہیں۔لیکن تالیہ کو لگتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔“

''لیکن نہیں....آپ درست کہہ رہے تھے....میرا نہیں خیال آپ کو کسی کی ضرورت ہے۔آپ اپنے لئے کافی ہیں۔''

''میں بھی ایسے ہی سمجھتا ہوں۔'' وہ پوری سچائی سے بولا تھا۔

اسی اثناء میں ایک آدمی پنجرے کی طرف دوڑتا آیا اور مشعل کی روشنی میں کھلی رسیاں دیکھنے لگا۔ وہ دم بخود تھا۔پنجرے کے دروازے پہ ضرب کا کوئی نشان نہ تھا....وہ جھکا اور زمین پہ گرا تالہ اٹھا کے دیکھا۔وہ صحیح سلامت تھا۔جیسے چابی سے کھولا گیا ہو نہ کہ توڑا گیا ہو۔

''کس نے کیا ہے یہ؟ تالہ کس نے کھولا ہے؟ بتاؤ۔'' وہ مقامی زبان میں تالہ لہرا کے غصے سے فاتح سے بولا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے ڈیڈ؟'' آریانہ کی قدرے خائف سی سرگوشی سنائی دی.....

''یہ تالہ....'' فاتح اپنی زبان میں تالے کی طرف انگلی کر کے اشاروں میں سمجھانے لگا۔''اس آدمی نے کھولا ہے۔وہ جو....''اس نے بالوں کی طرف اشارہ کیا'' لمبے بالوں والا ہے' چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان ہے۔وہ آیا تھا اور اس نے یہ تالہ کھول کے ان کو بھگا دیا۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے اشارے کر کر کے بتا رہا تھا۔آدمی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس نے چونک کے مڑ کے دیکھا۔زخم کے نشان والا آدمی گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا۔

''کیا اس نے بھگایا ہے ان کو۔''اس نے اشارے سے پوچھا۔بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''ہاں اس کے پاس چابی تھی....اس نے تالے میں ڈالی' اسے کھولا' اور ان کو بھگا دیا۔'' فاتح نے ہاتھوں سے ساری علامتیں بنا کے دکھایا۔آدمی نے دانت کچکچا لئے۔غصے سے دروازہ بند کیا' تالہ مقفل کیا اور اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا۔

''آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ اس کے کندھے کو ہلا کے الجھن سے پوچھنے لگی۔

''سیاست!'' وہ آنکھیں چھوٹی کر کے دور جاتے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''کس طرف جانا ہے۔'' وہ دونوں تیز تیز دوڑ رہے تھے جب ایڈم نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔گیٹ کے پار تاریک گلیاں تھیں۔صرف چاند کی چاندنی پھیلی تھی جس سے بمشکل ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا تھا۔

''پتہ نہیں۔بس بھاگو۔'' وہ تیز دوڑ رہی تھی۔اندھیر گلی میں وہ دونوں بھاگتے چلے جا رہے تھے۔پیچھے اس عمارت سے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔وہ لوگ جاگ چکے تھے اور ان کے تعاقب میں تھے۔

گلیوں کے درمیان سے ہوتے وہ کھلے سے احاطے میں آ گئے۔یہاں دونوں اطراف میں لکڑی کی دکانیں اور چھابڑیوں کی قطاریں لگی تھیں جو رات کے اس پہر چادروں سے ڈھکی تھیں۔شاید وہ بازار تھا۔وہ بنا مڑے بھاگتے گئے۔

تعاقب کرنے والوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔تالیہ کے سرپٹ دوڑتے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔جسم پسینے میں نہا گیا تھا

۔مگر وہ دوڑے جا رہی تھی۔

سامنے شہر کی طویل فصیل تھی۔ وسط میں گیٹ لگا تھا مگر وہ گیٹ کی طرف نہیں گئے۔ وہ دیوار کے ساتھ آگے دوڑتے گئے ۔یہاں تک کہ گیٹ کے پہریداروں سے دور نکل آئے۔ ایک دوسرے کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں پڑی۔ بولنے یا پوچھنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ایڈم نے دیوار پہ جست لگائی اور اوپر چڑھنے لگا۔

دور سے مشعلوں کی روشنی قریب آ رہی تھی....آوازیں' شور....تالیہ دیوار پہ ہاتھ جمائے پیر اوپر جمانے لگی۔فصیل اتنی اونچی نہ تھی ۔صرف علامتی تھی۔ چند لمحوں میں وہ دونوں وقت کے مسافر دیوار کے پار کود چکے تھے۔

سامنے لمبی سڑک تھی....اور اس کے گرد کھیت تھے۔وہ دونوں کھیتوں کی طرف دوڑتے چلے گئے۔

''وان فاتح کہتے ہیں ان کو میری ضرورت نہیں۔'' وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''مگر میں نے جو خواب دیکھا تھا' وہ اس کے الٹ تھا۔''

وہ کھیتوں میں داخل ہو چکے تھے۔ پیچھے فصیل کا گیٹ کھلتا دکھائی دے رہا تھا۔کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔یقیناً وہ لوگ شکاری کتے ساتھ لائے تھے۔

''وہ مجھے خواب میں کہہ رہے تھے کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔''

''سیریئسلی چے تالیہ....کیا یہ ان باتوں کا وقت ہے؟'' وہ حواس باختہ سا بھاگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور انہوں نے کہا تھا کہ ان کو میری ضرورت ہے....اور مجھے ان کی....لیکن آج انہوں نے یہ کیوں نہیں کہا۔''

کھیتوں کے دائیں طرف جھاڑیاں تھیں اور ان کے پار جنگل۔ایڈم کے قدم اس طرف اٹھنے لگے۔وہ بھی اسی سمت میں بھاگ رہی تھی۔

یہ کوئی اور جنگل تھا۔اس رین فاریسٹ سے میلوں دور۔مگر ویسا ہی تھا۔اونچے درخت...جھاڑیاں....کہیں بلندی کہیں نشیب ..... وہ دونوں بھاگتے چلے گئے....

تیز سانس لینے کی آوازیں.... ہانپتے ہوئے بار بار گردن موڑ کے پیچھے دیکھنا اور اندھا دھند دوڑنا....

کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں تعاقب کر رہی تھیں.....

پھر ایک دم وہ رک گئی....جھک کے گہرے گہرے سانس لینے لگی....وہ جو چند قدم آگے نکل گیا تھا' واپس مڑا۔

''چے تالیہ....رکیں گی تو ان کا شکار بن جائیں گی....دوڑیئے....'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے گھبراہٹ سے کچھ دیکھتا تھا....

''نہیں....'' اس نے پھولتی سانسوں کے درمیان دائیں بائیں گردن ہلائی۔''ان کے پاس شکاری کتے ہیں۔تالیہ نہیں بھاگے گی

۔''وہ کہتے ہوئے دائیں طرف بڑھی.... چند قدم اٹھائے....

''چے تالیہ.... آپ کیا کر رہی ہیں؟''

''تالیہ اور ایڈم میں یہی فرق ہے.. تم ایڈم شکار بن کے سوچتے ہو.... میں شکار باز بن کے سوچتی ہوں....'' وہ ادھر ادھر جھاڑیوں میں ہاتھ مار رہی تھی۔ ''اگر میں شکاری ہوتی تو تالیہ اور ایڈم کو کیسے ڈھونڈتی؟''

''کیسے؟''

''دو چیزیں.... دو چیزیں ہوتی ہیں شکاری کتوں کے پاس جن سے وہ شکار کو پکڑتے ہیں....'' اس نے جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرتے انگلیوں کی وی بنا کے پیچھے دکھائی۔ ''ان کی رفتار اور سونگھنے کی حس....'' وہ دھونکنی کی طرح چلتے تنفس کے درمیان رک رک کے کہہ رہی تھی۔ ''رفتار اتنی تیز ہوگی جتنا تیز مالک چل سکتا ہے' اس نے کتے کی زنجیر تھام رکھی ہوتی ہے..... شکاری کتوں کو زنجیر کے بغیر کوئی نہیں جنگل میں لاتا.... اور اس کا مالک اتنا تیز نہیں ہے.... وہ زخم کے نشان والا آدمی.. وہ موٹا ہے... اس لیے کتوں کو ہم تک پہنچنے میں وقت لگے گا.... ہمیں کتے سے زیادہ نہیں' اس کے مالک سے زیادہ تیز بھاگنا ہے۔''

بھونکنے کی آوازیں ہر پل قریب ہو رہی ہیں.....

''اور دوسری چیز....؟'' وہ گھبرایا کھڑا تھا۔

''کتے کی حس مشامہ... سونگھنے کی خوشبو....'' کہتے ہوئے اس نے چاندکی روشنی میں چند پتے توڑ کھینچے... ''کالی مرچ کا پودا... اور وہ دیکھو...'' بازو لمبا کر کے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ شہتوت کا درخت.... منگلکد و.... انڈین شہتوت.... ان کی خوشبو کتوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے.... وہ اس بو کا تعاقب نہیں کرتے.... ان کو خود پہ مل لو ایڈم.... ہم شکاریوں سے اور کسی طرح سے نہیں بھاگ سکتے.....''

''یہ سب آپ کو کس نے بتایا چے تالیہ؟'' وہ دم بخود کھڑا تھا۔ تالیہ نے زرد چہرہ اٹھا کے نقاہت سے اسے دیکھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ بے حال ہو گئی تھی، کلائیوں سے خون ہنوز رس رہا تھا۔

''کیونکہ میں شکار باز ہوں۔'' پھر وہ ایک درخت کی جانب لپکی۔ ''اور اس لئے بھی کیونکہ کے ایل کے جس کون آرٹسٹ نے مجھے چوریاں کرنا سکھایا تھا' اس نے مجھے پولیس کے کتوں سے بچنا بھی سکھایا تھا۔'' ایک درخت کے پاس وہ رکی اور دیوانہ وار پتے توڑنے لگی۔ ایڈم فوراً جھاڑیوں کی طرف دوڑا۔

''کالی مرچ یا شہتوت سے زیادہ skunkeed اچھی رہتی ہے کتوں کو دھوکہ دینے کے لئے۔'' اپنا علم یاد آیا تو جھاڑ دیا۔

''مگر میرے خواب کے مطابق یہاں مرچیں اور توت ہی ہیں۔'' وہ پتوں کو مسلنے لگی۔ ان کا رس.... ان کی خوشبو.... ناقابلِ برداشت تھی مگر تالیہ دیوانہ وار ان کو خود پہ ملے گئی۔

ایڈم بھی خود پہ پتے اوران کے ننھے پھول مسل مسل کے مل رہا تھا۔آس پاس تیز خوشبو آنے لگی۔تالیہ کو زوردار چھینک آئی۔اس نے ناک بند کرلیا اور پھرایک درخت کی کھوہ میں جا بیٹھی۔

دور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔جنگل میں ذرا سی حرکت جو درخت کے قدموں میں کی جاتی' اس سے درخت ہلکا سا ہلتا اور وہ حرکت اوپر پتوں تک پہنچتے پہنچتے زوردار جھنجھناہٹ میں تبدیل ہو جاتی۔مزید بھاگنے کا مطلب تھا اپنی پوزیشن سے تعاقب کاروں کو آگاہی دینا۔وہ مزید بھاگ نہیں سکتے تھے۔ایڈم بھی اس کے ساتھ کھوہ میں آ بیٹھا۔اب وہ دونوں آس پاس کے درختوں سے بھی چھپ چکے تھے۔

چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔پرندوں کی چہچہاہٹ' دور کتوں کے غرانے کی آواز....دوڑتے قدم....یہ جنگل کسی رین فاریسٹ کی طرح ہی تھا۔گیلا...کیچڑ آلود...گھنے درخت...اور ہر طرف اندھیرا۔ایسے میں ایڈم نے ساتھ بیٹھی تالیہ کو دیکھا جو گھٹنوں کو سینے پہ لگائے' سمٹی بیٹھی' محتاط سی تعاقب کاروں کی چاپ سن رہی تھی۔آدھی کھلی چوٹی آگے کو ڈالے' مٹی لگا چہرہ' گالوں پہ زخم کے نشان۔اسے اس سے ہمدردی ہوئی۔

''آپ کو آپ کے خواب یوں مدد بھی دیتے ہیں؟'' ذرا نرمی سے پوچھنا چاہا۔

''ہاں...کیوں؟ تم خواب نہیں دیکھتے کیا؟'' وہ پٹاخ سے بولی۔ایڈم کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔لب بھینچ لئے۔

''آپ کو برداشت کرنا چھ سو سال پیچھے آنے سے زیادہ مشکل ہے' چے تالیہ۔''

''پانچ سو ستاون سال۔کبھی ریاضی کی کتابیں نہیں پڑھیں' کیا؟''

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔پھر سے لب کھولے ہی تھے کہ تالیہ نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ لی۔

''ششش۔'' کتوں کے بھونکنے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ایڈم کا سانس تھم گیا۔بدقت تھوک نگلا۔وہ البتہ بالکل ساکن بیٹھی تھی۔چہرے پہ پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگ رہا' چے تالیہ؟'' وہ دبا دبا سا بولا۔تالیہ نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''میں لوگوں کے سوتے ہوئے ان کے کمروں میں گھس کے چیزیں بنا آواز کے نکال لاتی ہوں۔تالیہ کو کسی سے ڈر نہیں لگتا۔'' ذرا رکی۔''سوائے سمیع سے۔'' آخری فقرہ لبوں میں ادا کیا مگر اس نے سن لیا تھا۔حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ اتنی بہادر ہو کے اس آدمی سے کیوں ڈرتی ہیں؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ لمحے بھر کو سوگوار نظر آئی' پھر جلد ہی چہرے کو واپس سنجیدہ کر لیا۔''آوازیں دور جا رہی ہیں۔ہے نا؟'' بھونکنے کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

''کتے شاید واپس پلٹ رہے ہیں۔توت کے پتوں نے کام کر دکھایا۔'' وہ مسکرایا۔

چند منٹ میں آوازیں پست ہوتی گئیں اور پھر بالکل ہی دم توڑ گئیں۔جنگل میں خاموشی چھا گئی۔واحد شور پرندوں اور مینڈکوں کی آوازوں کا تھا۔

تالیہ کھوہ سے نکل آئی اور اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتے آسمان کو دیکھا۔یہاں سے وہ واضح نظر نہ آتا تھا۔بس سیاہی پہ چند تارے تھے جیسے۔

''تارے!'' وہ چونکی۔''ہمیں جنگل سے نکل کے اس تارے کو ڈھونڈنا ہے جو ہمیں الورسونگائی لے جائے گا۔''

''وہ کیا ہے؟'' ایڈم بھی باہر نکل آیا۔

''میرے گاؤں کا نام۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ایڈم اس کے پیچھے لپکا۔

''کیا آپ کو وہ تارہ یاد ہے؟''

''مجھے تاروں کا سارا ڈیزائن یاد ہے' میں پہچان لوں گی۔تالیہ کچھ نہیں بھولتی۔'' کہہ کے وہ رکی۔''سوائے اپنی زندگی کے دس گیارہ سالوں کے۔'' اور ایک دم کھلکھلا کے ہنس دی۔وہ بھی ہنس پڑا۔

''چے تالیہ' آپ بہت ذہین ہیں۔'' وہ بے اختیار بولا تو تالیہ نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''اور آپ جیسے ذہین لوگوں کو کدھر ہونا چاہیے' جانتی ہیں؟''

''کدھر؟'' مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''جیل میں!'' وہ سنجیدگی سے جتا کے بولا اور آگے بڑھ گیا۔تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔غصے سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر پیچھے لپکی۔

''ابھی وہ جیل بنی نہیں جس میں تالیہ مراد کو قید کیا جا سکے۔''

''بن بھی چکی ہے اور پچھلی رات ہم اس میں گزار بھی آئے ہیں' میڈم!''

''اور وہ توڑی کس نے تھی' ہاں؟'' وہ ترکی بہ ترکی جواب دیتی اس کے ہمراہ باہر جا رہی تھی۔درختوں کی حدود ختم ہوئی تو سامنے سڑک نظر آئی۔وہ جنگل کو کاٹ کے بنائی گئی تھی اور سیدھی ملاکہ شہر کی فصیل تک جاتی تھی۔

سڑک پہ قدم رکھتے ہی تالیہ نے گردن اوپر اٹھائی تو سیاہ آسمان اپنے تاروں کے ساتھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔وہ چند لمحے اوپر دیکھتی رہی' پھر بازو بلند کر کے اشارہ کیا۔

''اگر ہم اس تارے کو اس جانب رکھیں تو....'' اشاروں سے بتانے لگی۔''ہم الورسونگائی پہنچ جائیں گے۔ہمیں اس سمت میں سفر کرنا ہے۔''

''اوکے!'' ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سڑک کے درمیان میں کھڑے تھے۔ ایک جانب ملاکہ تھا....دوسری جانب کا راستہ الورسونگائی کو جاتا تھا۔ تالیہ نے باری باری دونوں طراف میں دیکھا۔

''ہوسکتا ہے میرے بابا ابھی تک الورسونگائی میں ہوں۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی' پھر چونکی۔ ''لیکن وان فاتح ملاکہ میں ہیں۔''

''لیکن ہمیں پہلے الورسونگائی جا کر آپ کے والد کا اتہ پتہ معلوم کرنا ہے۔ وہاں لوگ کچھ بتائیں گے تو ہم ان کو ڈھونڈ سکیں گے۔''

''اور وان فاتح کو یہیں چھوڑ دیں؟''

''ہم فاتح صاحب کے لئے واپس آئیں گے' مگر ہمیں وہی کرنا ہے جو انہوں نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے۔''

''اگر بابا قید ہو چکے ہیں تو وہ ملاکہ میں ہی ہوں گے یا کسی دوسرے شہر میں۔ الورسونگائی جانے کا فائدہ نہیں۔''

''لیکن فاتح صاحب نے کہا تھا کہ....''

''تم میں اور مجھ میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟'' وہ تیزی سے بولی۔ چبھتی ہوئی نظریں ایڈم پہ جمی تھیں۔

''میں کتابیں پڑھنا جانتا ہوں' یہی نا؟''

''تم حکم ماننے کے لئے بنے ہو' لیڈ ہونے کے لئے۔ اور تالیہ حکم دینے کے لئے بنی ہے۔ لیڈ کرنے کے لئے۔ اس لئے تم وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔'' انگلی سے سینے پہ دستک دی تو اس کا انداز حتمی تھا اور آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ ''میں وان فاتح کو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہمیں پہلے ان کا سوچنا ہے۔''

''مگر آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ...؟''

''کہ کیا؟ یہی کہ ان کو قید چھوڑ کے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جاؤں؟ مجھے زیادہ عزیز وہ وعدہ ہے جو انہوں نے ابھی مجھ سے لینا ہے۔ مجھے وہ وعدہ نبھانا ہے۔'' اور اس نے فصیل کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''مگر ملاکہ میں وہ لوگ ہماری تلاش میں ہوں گے۔ ہم ان سے کیسے بچیں گے؟'' تالیہ جواب میں مسکرائی۔

''وہ دو بدحال' پھٹے کپڑوں اور میلے چہرے والوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اگر ہم ایسے نہ رہیں تو وہ ہمیں کیسے ڈھونڈیں گے؟''

ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''بتاتی ہوں۔ پہلے واپس چلو۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے شہر کی دیوار پھلانگنی ہے۔''

وہ سڑک پہ آگے بڑھ گئی۔ اندھیر سڑک' دونوں طرف جنگل اور درمیان میں کھڑا ایڈم....اس نے ایک بے بس نظر الورسونگائی تک جاتے راستے پہ ڈالی اور پھر تالیہ کے پیچھے چل دیا۔

☆......☆......☆

صبح کی سفید روشنی اس وسیع احاطے میں پھیل رہی تھی۔ پنجرے میں تنہا بیٹھا وان فاتح آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے دور نظر آتے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں شکاری کتے اور گھوڑے واپس آ کھڑے ہوئے تھے۔ نا کام۔ نامراد۔ وہ تالیہ یا ایڈم کو پکڑ کے نہیں لائے تھے۔ اور ان کے سوار آتے ساتھ ہی ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تھے۔ چہرے پہ زخم والا غصے اور حیرت سے کچھ کہہ رہا تھا اور دوسرا آدمی انگلی اٹھا اٹھا کے اس کو کھری کھری سنا رہا تھا۔ فاتح خاموشی سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ جانتا تھا کہ ان کا وقتی جھگڑا تالیہ اور ایڈم کو کافی مہلت دلا چکا ہوگا۔

ایسے میں ایک اور آدمی پنجرے کے قریب آیا' تالہ کھولا اور اسے کندھے سے کھینچ کے باہر آنے کو کہا۔

فاتح نے زور سے کندھا جھٹکا' اور بندھے ہاتھ سیدھے اٹھائے۔

''مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ میں خود آ رہا ہوں۔'' زبان وہ نہیں سمجھا تھا مگر اشارہ سمجھ گیا تھا۔ رعب تھا یا کیا' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

وان فاتح بندھے ہاتھوں پیروں کے ساتھ نیچے اترا اور سر اٹھا کے چمکدار سفید ہوتا آسمان دیکھا۔ گردن سے بندھی رسی پیروں تک جاتی تھی' مگر اس طرح کہ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا سکتا تھا۔

آدمی اسے اپنے تعاقب میں چلاتا ایک طرف لے آیا۔ عمارت کے دائیں جانب ایک لمبا سا برآمدہ بنا تھا جس میں سلاخوں کے دروازے تھے۔ گویا ایک طویل سا قید خانہ ہو۔ آدمی نے سلاخ دار دروازہ کھولا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر چلا آیا۔ وہ طویل بیرک تھا۔ اور اس میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ نحیف' کمزور' کچھ توانا۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس.... چہروں پہ تھکن اور زخم لئے....کوئی بیٹھا تھا' کوئی لیٹا تھا۔ سب نے اس آدمی کو اندر آتے دیکھا جو گدلے لباس اور چہرے پہ لگی مٹی کے باوجود بارعب اور باوقار لگتا تھا۔

اس کا اغوا کار اب اس کی رسیاں کھولنے لگا۔ فاتح نے مزاحمت کیے بغیر ہاتھ سامنے کر دیے۔ رسیاں کھولنے میں کافی دیر لگی۔ پھر وہ باہر نکل گیا تو وان فاتح نے کلائیاں ہاتھوں سے دبائیں گویا درد سے سکون پانے کی کوشش کی۔

اردگرد تمام قیدی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ بیٹھے ہوئے' کھڑے ہوئے' لیٹے ہوئے۔ سب کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

وہ سلاخ دار دروازے کے ساتھ جا کھڑا ہوا' یوں کہ پشت سلاخوں سے لگا لی' اور چہرہ ان بدحال' مفلس قیدیوں کی طرف موڑ لیا۔ پھر وہ ہاتھ اٹھا کے ماتھے تک لے گیا۔ (سلام) سر کو خم دیا۔

وہ خالی چہرے اور ویران آنکھوں والے لوگ ٹکر ٹکر اس کو تک رہے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈ؟'' ننھی پری نے کان میں سرگوشی کی۔

''یہی کہ یہ لوگ کون ہیں اور اس حال میں کیوں ہیں؟ کس نے حق دیا ان اغوا کاروں کو کہ وہ جیتے جاگتے آزاد انسانوں کو جانوروں کی طرح اس پنجرے میں قید کر ڈالیں؟'' وہ الجھا ہوا تھا....سوچ رہا تھا۔ لب ہلائے بنا آریانہ کو جواب دے رہا تھا۔

''آپ ان کی فکر کیوں کرتے ہیں؟'ڈیڈ؟ آپ کو مراد اور اس کی چابی کا انتظار کرنا ہے جس کے ذریعے آپ جلد از جلد واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں جہاں ملک کی سب سے طاقتور کرسی آپ کی منتظر ہے۔'' آریانہ پریشانی سے بولی تھی۔ (وہ اس کا سب کانشس مائینڈ تھا جو اسے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔)

وہ دائیں سے بائیں ان خالی چہروں پہ نظریں دوڑا رہا تھا۔ ہر آنکھ میں کرب اور غم کی عجب داستان رقم تھی۔ اس مایوس لمحے میں فاتح رامزل کے اوپر عجیب سا انکشاف ہوا۔

''ہم تینوں کا غلطی سے وہ دروازہ پار کرنا... میں سمجھتا رہا وہ ایک حادثہ ہے.... لیکن نہیں۔'' وہ چونک گیا تھا۔'' وہ حادثہ نہیں تھا۔ میں یہاں کسی وجہ سے آیا ہوں۔ چھے سو سال پہلے کے ملاکہ میں کچھ ہے جو میرا منتظر ہے۔ کوئی مقصد' کوئی کام۔ کوئی شے جو چھے صدیاں پہلے ادھوری رہ گئی تھی اور اسے پورا کرنے کے لئے وقت نے خود کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ ہم وقت کے قیدی ہیں' مگر کسی وجہ سے۔ اور جب تک وہ پوری نہیں ہوگی....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔'' وقت ہمیں واپس جانے نہیں دے گا۔''

آریانہ دھک سے رہ گئی۔

''اور وہ وجہ آپ کو کیسے معلوم ہوگی' ڈیڈ؟''

اس نے ان لٹے پٹے چہروں سے نظر ہٹا کے ساتھ کھڑی بے چین سی آریانہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

''کیا کوئی ایسی پہیلی ہے جو تمہارا باپ حل نہ کر سکا ہو' بے بی؟''

مگر آریانہ نہیں مسکرائی۔ وہ پریشانی سے اس کو دیکھے گئی۔

☆......☆......☆

ملاکہ کا قدیم شہر جاگنے لگا تھا۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی لوگ اٹھ اٹھ کے کام کے لئے گھروں سے باہر نکلنے لگے تھے۔ ایسے میں وقت کے وہ دو مسافر ایک گھر کے باہر کونے میں چھپے بیٹھے تھے۔

وہ لکڑی کا دو منزلہ گھر تھا۔ اوپر ٹیرس' اور کمروں کے دروازے بنے تھے۔ سیڑھیاں بیرونی تھیں۔ گھر کی چھت دوسرے گھروں کی طرح لکڑی کی مخروطی طرز کی تھی۔ وہاں ساری گلی میں مخروطی چھتوں والے لکڑی کے ایک جیسے گھر ہی بنے تھے۔

دفعتاً ٹیرس کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر جاتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کے نیچے گیا' وہ دونوں دیوار کی اوٹ سے نکلے اور جھک کے چلتے ہوئے تیزی سے کمرے میں جا گھسے۔ تالیہ آگے تھی اور ناخوش سا ایڈم پیچھے۔ باہر ابھی تک جامنی اندھیرا پھیلا تھا۔

اندر آتے ہی جو منظر سامنے آیا' اس میں زمین پہ فرشی بچھونا بچھا تھا جس پہ ایک ننھا بچہ سو رہا تھا اور ایک عورت ان کی جانب پشت کیے چادر جھاڑ رہی تھی۔ تالیہ بلی کی چال چلتی اس کے پیچھے آئی اور اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ عورت کو مزاحمت کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ اس

کے بازو کے نرغے میں چند لمحوں میں بے ہوش ہوگئی۔ تالیہ نے احتیاط سے اسے اس کے بچھونے پہ ڈال دیا۔

"جب یہ جاگے گی تو اسے لگے گا یہ کمزوری سے چکر کھا کے گر گئی تھی۔" وہ مڑی تو دیکھا' ایڈم ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا اس عورت کو تکلیف دینا ضروری تھا؟"

"تو کیا کہتی؟ محترمہ' ہم آپ کے گھر چوری کرنے آئے ہیں' خاموشی سے سائیڈ پہ ہو جائیں اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں؟"

"کانٹ بلیو میں ایک چوری کی واردات میں شریک ہو رہا ہوں۔"

"اس سے پہلے تم دھوکہ دہی کی واردات میں بھی شریک ہو چکے ہو جب تم مجھے دھوکہ دے کر فاتح صاحب کو سن باؤ کے گھر لے آئے تھے.... چابی جوڑ کے۔ اس لئے زیادہ پارسا نہ بنو۔"

"اللہ نے زندگی رکھی تو واپس جاتے ہی اپنے ہاتھوں سے آپ کو جیل بھجواؤں گا۔" وہ جل کے بولا تھا۔ تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ صندوقوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"یہ کھاتا پیتا گھرانہ لگ رہا ہے۔ قیمتی چیزیں ہوں گی ان کے پاس۔ خدا کرے اس گھر میں کوئی اور نہ ہو۔ اس لئے جلدی سے اپنے لئے کپڑے ڈھونڈو۔ خاوند کے آنے سے پہلے ہمیں تیار ہو کے یہاں سے نکلنا ہے۔" وہ صندوق کھول کے کپڑے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ کمرے کی دیوار پہ لگی مشعل جل رہی تھی اس لئے سب صاف نظر آ رہا تھا۔

بچہ ہنوز سویا ہوا تھا۔

فجر باسی ہوگئی اور ملاکہ پہ سورج طلوع ہونے لگا تو شہر کی گلیوں نے دیکھا۔ وہ دونوں چپکے سے سیڑھیاں اتر کے گلی میں آ گئے تھے اور اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

اور یہ وہ بدحال وقت کے مسافر ہرگز نہ لگتے تھے۔

تالیہ نے جامنی ریشمی باجو کرنگ پہن رکھا تھا۔ پیروں تک آتا لہنگا نما لباس' اور گھٹنوں تک آتی قمیص' کندھے سے دوپٹہ گزار کے دوسرے پہلو پہ باندھ لیا تھا۔ انگلیوں میں دو انگوٹھیاں اور گردن میں موتیوں کی مالا تھی۔ حمام میں رکھے عجیب دودھ سے بنے ملغوبے سے اس نے بال بھی دھو لئے تھے۔ کنگھی بھی کی تھی۔ اور اب سنہری بال کنگھی ہوئے چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے۔ کان میں مصنوعی بڑا سا پھول لگا رکھا تھا۔ اور سر پہ ہیٹ پہن رکھا تھا یہ ملے طرز کا ہیٹ تھا نہ کہ انگریزی طرز کا جو وہ ملائیشیاء میں پہنتی تھی۔ یہ الٹے لٹو کی شکل کا تھا اور ڈوری تھوڑی تلے اڑس دی جاتی تھی' یوں کہ آدھا چہرہ چھپ جاتا تھا۔

ایڈم نے بھی ایسا ہی ہیٹ پہن رکھا تھا۔ نیچے کھلا سا پاجامہ' اوپر لمبی قمیص' اور اس پہ نیلے رنگ کی پتلی جیکٹ جو سامنے سے کھلی تھی۔ گویا کوٹ ہو۔ یہ مقامی لباس تھا اور اس پہ کافی کھلا تھا۔

شہر جاگنے لگا تھا۔لکڑی کے مکان ....ان کے درمیان آتے جاتے لوگ۔کافی عورتوں کے سروں پہ دوپٹے تھے۔اور لباس کھلے سے تھے۔مردوں کے لباس ایڈم کی طرح تھے۔چند ایک نے گزرتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا بھی۔

غیر آرام دہ ایڈم جو بدقت کھلے جوتوں میں چل رہا تھا۔اور گردن کڑا کے شانِ بے نیازی سے چلتی تالیہ۔

''سنو....تم میرے بھائی ہو۔'' راستے میں ہدایت دی۔

اللہ مجھے جہنم میں بھی آپ کا بھائی نہ بنائے۔''

''میں کور اسٹوری بتا رہی ہوں۔'' وہ بنا اثر لئے بولی۔''ہم چین سے آئے ہیں۔مصالحوں کا کاروبار کرتے ہیں۔اس زمانے میں یہی کاروبار بہت اِن تھا۔لوگ انڈیا سے سمندر کے راستے ملاکہ کی بندرگاہ تک آتے اور مصالحے بیچتے تھے۔''

''تو ہم انڈیا سے کیوں نہیں آئے؟ چین سے کیوں آئے ہیں؟''

''کیونکہ ہم انڈین نہیں لگتے' ڈفر۔ہم چینی لگتے ہیں۔'' وہ اسے گھرکتے ہوئے قدم اٹھا رہی تھی۔

چلتے چلتے وہ دونوں بازار کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔وہاں لکڑی کی دکانیں گلیوں میں بنی تھیں۔قہوہ خانے بھی تھے جہاں باہر کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ریڑھیوں پہ سامان رکھ کے بھی لوگ فروخت کر رہے تھے۔غرض فجر کے ساتھ ہی بازار میں گہما گہمی کا عالم تھا۔بس ایک چیز نہ تھی جو آج کی دنیا میں ہوتی تھی۔شور۔ٹریفک کا' موسیقی کا' آوازوں کا۔اوں ہوں۔ہرگز نہیں۔آبادی کم تھی۔لوگوں کے اپنے بولنے کی آوازیں ہی آرہی تھیں بس۔وہ دونوں باوقار چال چلتے آگے بڑھتے گئے۔

جہاں کئی عورتیں سر سے پیر تک ڈھکی تھیں' وہاں کئی کندھوں سے گھٹنوں تک کا لباس پہنے ہوئے تھیں' یوں کہ کندھے بھی برہنہ تھے۔اونچے جوڑے بنائے وہ مردوں کے ساتھ بازار میں کام کر رہی تھیں اور انہیں کوئی ہراساں نہیں کر رہا تھا۔

''عجیب ماحول ہے چھ سو سال پہلے کے ملاکہ کا۔'' وہ اچنبھے سے بڑبڑائی۔

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔'' وہ جتا کے بولا تھا۔''اور ہم بازار میں کیا کر رہے ہیں۔ہمارے پاس پیسے تو ہیں ہی نہیں۔''

ایک یہی چیز تھی جو ان صندوقوں سے نہ ملی تھی۔ایک سکہ یا دمڑی بھی نہیں۔غالباً وہ اپنے پیسے کہیں چھپا کے محفوظ رکھتے تھے۔

تالیہ رک گئی۔ایک دکان کے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھا جو کپڑے کا ایک تھیلا اٹھا رہا تھا۔پھر اس نے سونے کا ایک سکہ دکاندار کی طرف بڑھایا۔

''سونا۔ہمیں سونا چاہیے۔'' وہ بڑبڑائی۔زیرک نگاہیں چاروں اطراف میں دوڑائیں۔قدیم زمانے کے اس بازار میں لوگ معمول کی خریداری کر رہے تھے۔نگاہ ایک عورت پہ جا رکی جو لہنگے قمیص اور سر پہ دوپٹے میں ملبوس تھی' اور ایک سبزی کی ریڑھی پہ کھڑی' مختلف قسم کے پالک کے پتے اٹھا اٹھا کے دیکھ رہی تھی۔اس کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور کلائی میں موٹے کنگن تھے۔

"تم یہیں رکو۔ میں ابھی اس کے ہاتھ سے تھوڑا سا زیور اتار کے لاتی ہوں۔"

"ہیں؟" ایڈم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "مگر کیسے؟"

تالیہ نے ہیٹ ذرا سر پہ اوپر کیا تو دھلا دھلایا صاف چہرہ اور اس پہ چھائے مشکوک تاثرات ایڈم کو نظر آئے۔

"کیوں؟ تمہیں کیوں بتاؤں؟ تاکہ کل کو تم وہی تکنیک سیکھ کے چوریاں کرتے پھرو اور تمہارا گناہ بھی میرے سر آئے؟"

"آپ مجھے اچھی نیت سے بتا دیں نا۔ میری حفاظت کی نیت سے۔ تاکہ کل کو اگر میں بھرے بازار میں ہوں تو مجھے معلوم ہو کہ چورا چکے کیسے میرے ہاتھ سے گھڑی اتار سکتے ہیں اور میں ان کو موقع نہ دوں۔"

تالیہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ بات میں وزن تھا۔

"ویسے تو یہ کام پریکٹس سے آتا ہے مگر تکنیک یہ ہے کہ...." وہ نخریلے انداز میں شانِ بے نیازی سے بولی۔ "پہلے ٹارگٹ سے ہاتھ ملاؤ۔ زور سے۔ اور اس کی گھڑی یا انگوٹھی کو زور سے دباؤ۔ جب بھی ہاتھ میں پہنی چیز زور سے دبائی جاتی ہے تو ہماری جلد پہ وہ ایک "احساس" چھوڑ جاتی ہے۔ اگلے ہی لمحے گھڑی کو آہستہ سے اتار لو۔ مگر چونکہ زور سے دبایا تھا' تو ٹارگٹ کو لگے گا کہ اس نے ابھی تک ہاتھ میں کچھ پہن رکھا ہے۔ اسے کافی دیر بعد سمجھ آئے گی کہ اس کا ہاتھ خالی ہے۔ آئی سمجھ؟"

ایڈم نے حیرت اور بے یقینی سے دونوں ابرو اٹھائے۔ "واؤ....اور گردن سے زیور کیسے اتارا جاتا ہے؟"

"تم کون سا زیور پہنتے ہو گردن میں جو میں تمہیں تمہاری حفاظت کے لئے اس تکنیک کا راز بتاؤں۔ چپ کر کے کھڑے رہو ادھر۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔" ناک سکوڑ کے ہونہہ کہتی آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بظاہر ریڑھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس پہ بڑے بڑے دوریان (ایک قسم کا پھل) رکھے تھے۔ ان کی مہک اتنی تیز تھی کہ ہر سو پھیلی تھی۔ وہ ان کو اٹھا اٹھا کے دیکھنے لگا۔ دوکاندار نے کچھ کہا تو وہ گڑبڑا کے مسکرا دیا اور پھل واپس رکھ دیے۔

کنکھیوں سے تالیہ اس عورت سے ٹکراتی' پھر اس کے ہاتھ تھام کے خود کو سنبھالنے کے لئے اس کا شکریہ ادا کرتی نظر آ رہی تھی ۔لمحوں بھر کا کھیل تھا۔ وہ واپس آئی اور رومال میں چھپے کڑے دکھائے۔ انگوٹھی اس نے انگلی میں پہن بھی لی تھی۔

"اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دیجیے گا' تو انکو۔" ایڈم محمد نے بے اختیار آسمان کو دیکھا۔ "میں صرف اپنی جان بچانے کے لئے ان خاتون کا ساتھ دے رہا ہوں جن کے جہنم میں جانے میں مجھے کوئی شک نہیں رہا۔"

وہ کرارا سا جواب دیتی مگر ایک دم ہر طرف شور سا مچا۔ آوازیں۔ گھوڑوں کی ٹاپ۔ لوگ دونوں اطراف میں ہٹنے لگے۔ ہٹو بچو کے نعرے لگے۔ بگل....اعلانات....راستہ صاف ہونے لگا۔

وہ دونوں بھی جلدی سے ایک دکان کے چھپر تلے آ کھڑے ہوئے۔

''کیا ہو رہا ہے؟ راستہ کیوں صاف کیا جا رہا ہے؟'' وہ حیران پریشان سا تالیہ سے پوچھنے لگا کیونکہ اعلان اور نعروں کی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

تالیہ یک ٹک اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے کوئی قافلہ سا آ رہا تھا۔

''چے تالیہ.... بتائیں نا.... یہ اعلان کس چیز کا ہے؟''

''شہزادی۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی۔ ''ملاکہ کی شہزادی کی سواری آ رہی ہے۔ ادب سے راستہ چھوڑا جا رہا ہے۔'' اس کی آنکھیں اس طرف لگی تھیں۔ ان میں تپش سی ابھرنے لگی تھی۔

''ظالم شہزادی آ رہی ہے ایڈم.... وہ دیکھو۔''

سب کچھ سلو موشن میں ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم نے فوراً اس جانب دیکھا۔ کچھ جوش' کچھ خوشی سے۔

شمال کی سمت سے قافلہ سا آ رہا تھا۔ آگے گھڑسوار تھے۔ کوئی بگل بجا رہا تھا۔ کوئی تلواریں تانے ہوئے تھا۔ درمیان میں شاہی طرز کی بگھی تھی۔ سونے چاندی کے تاروں سے اس پہ نقش و نگاہ ہوئے تھے اور سیاہ چمکدار گھوڑے اس میں جتے تھے۔ وہ سست روی سے چل رہی تھی۔ بگھی کی کھڑکی کھلی تھی' پردہ ہٹا تھا اور اندر.... تالیہ نے انہی پرتپش نگاہوں سے بگھی کو دیکھتے گردن اونچی کی....

گھوڑے قریب آ رہے تھے۔ دونوں طرف لوگ شوق اور رعب کے زیرِ اثر شاہی سواری کو دیکھ رہے تھے۔ نعرے بھی گونج رہے تھے.... جو یقیناً شہزادی کے حق میں تھے.. جواب میں کھڑکی سے انگوٹھیوں سے مزین خوبصورت ہاتھ نکلا۔ اب شہزادی اپنے ہاتھ سے ان نعروں کا جواب دے رہی تھی۔ بگھی کے پہیے قریب آ رہے تھے۔ جہاں ایڈم دم بخود کھڑا تھا وہاں تالیہ کا سانس تک رک چکا تھا۔

کھڑکی قریب آئی۔ اندر بیٹھی عورت کا نیم رخ نظر آیا۔ بڑا سا تاج جس سے لڑیاں نکل رہی تھیں۔ سرخ لباس جس کے کندھوں پہ سنہرے تاروں کا کام نظر آتا تھا۔ بندھے بالوں کا جوڑا اور کانوں میں لمبے لمبے ہیروں اور سونے کے آویزے۔ لبوں پہ سرخ لب اسٹک۔ وہ خوشبوؤں میں بسی شہزادی خوب گوری اور چھوٹی آنکھوں والی تھی۔ کافی خوش شکل تھی۔ بس خوش شکل۔ مسکرا کے اب وہ اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں تالیہ اور ایڈم کھڑے تھے۔

تالیہ بنا پلک جھپکے نگاہیں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

دفعتاً شہزادی کی نظریں تالیہ مراد پہ آ رکیں۔ تالیہ نے ہیٹ اوپر اٹھایا۔ سنہری بال اور ان کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔ زخم کے نشان اور آنکھوں کی سرد نفرت....

شہزادی کی کاجل لگی آنکھوں نے چند لمحے تک اس لڑکی کو دیکھا پھر نگاہیں آگے لے گئی۔ مگر وہ.... وہ انہی سرد نظروں سے اس کو دیکھے گئی۔ بگھی دور چلی گئی۔ سپاہیوں کے گھوڑے آگے بڑھ گئے۔

ایک سحر سا ٹوٹا۔

''اتنی خوبصورت نہیں تھی جتنا سنا تھا۔'' ایڈم مایوسی سے بولا۔ تالیہ نے تلخی سے سر جھٹکا۔ پھر ساتھ کھڑے بوڑھے آدمی کو دیکھا۔ وہ بھی دور جاتے قافلے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''کیا آپ لوگ شہزادی کو پسند کرتے ہیں؟'' آدمی نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ مسکرائی۔

''میں اور میرا بھائی پہلی دفعہ چین سے ملاکہ آئے ہیں' علاقے سے واقف نہیں ہیں اس لئے پوچھ رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ مختلف تھا اور وہ یہ زبان ٹھیک سے بول نہیں سکتی تھی۔ مگر آدمی سمجھ گیا۔ سر ہلایا۔

''جب اتنے مسلح سپاہی ساتھ ہوں تو کون شہزادی کو ناپسند کرسکتا ہے۔'' انداز میں طنز تھا۔

''میں نے سنا ہے شہزادی بہت ظالم ہے۔ الورسونگائی سے بہت سے لوگ قید کروائے ہیں اس نے۔''

''ایسا ہی ہوا ہے۔ پورے ہفتے سے گرفتاریاں جاری ہیں۔ سارے قید خانے بھر چکے ہیں۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ یہ قید خانے کہاں ہوں گے؟'' وہ سرسری سا پوچھ رہی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ آدمی نے کندھے اچکا دیے۔

''محل میں ہی ہوں گے مگر یہ ظلم شہزادی نے اکیلے نہیں ڈھایا۔ بنداہارا اس میں برابر کا شریک تھا۔ یہ سارے بندے اسی کی ایما پہ پکڑے گئے ہیں۔''

''ظاہر ہے وہ اس کا باپ ہے' دونوں ایک جتنے ہی قصوروار ہیں۔'' وہ تنفر سے بولی۔

بوڑھا گردن گھما کے ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

''کس کا باپ؟''

''شہزادی تاشہ کا باپ۔ ملاکہ کا بنداہارا (وزیر)۔''

بوڑھے آدمی کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''بنداہارا شہزادی کا باپ نہیں ہے اور یہ شہزادی ''یان سوفو'' تھی' جو چین کے بادشاہ کی بیٹی ہے اور مرسل شاہ سلطان کی ہونے والی بیوی۔ بنداہارا تو سلطان کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ شہزادی سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

تالیہ ہکا بکا رہ گئی۔ سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''تو یہ شہزادی تاشہ نہیں تھی؟''

''شہزادی تاشہ کون ہے؟'' وہ آدمی اتنا ہی حیران تھا۔ ایڈم بے بسی سے ترجمے کا منتظر ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی تاشہ... ملاکہ کی شہزادی... بنداہارا کی بیٹی... جس کے قصے دور دور تک مشہور ہیں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ کچھ غلط تھا۔

''میں نے محل میں کافی عرصہ کام کیا ہے' بیٹی۔ ہمارے ملک میں تاشہ نام کی کوئی شہزادی نہیں ہے۔ میں یہ نام پہلی دفعہ سن رہا ہوں۔''

تالیہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ تاریخ کی کتابیں کیسے غلط ہو سکتی تھیں؟

''تو پھر.... بنداہارا کی بیٹی کا کیا نام ہے؟''

''پچھلے بنداہارا کی تو کوئی بیٹی ہی نہیں تھی.... دو بیٹے تھے مگر پانچ زور قبل اس کو پھانسی دے دی گئی اور بیٹے جلاوطن کر دیے گئے۔ اس نے سلطان کے پھوپھی زاد کے ساتھ مل کے سارے پمبو رو کے لوگوں کو پکڑوایا' مگر وہ سلطان کا پھوپھی زاد.... اس نے محل میں آتے ہی بنداہارا کا پتا بھی صاف کر دیا اور خود نیا بنداہارا بن بیٹھا۔''

''اور اس کی بیٹی؟'' اس کی آواز کانپی۔

''اس کی ایک ہی بیٹی تھی۔ دس گیارہ سال کی۔ وہ چند دن پہلے کھو گئی تھی۔ مگر راجہ مراد کو لگتا ہے اپنی بیٹی کے کھونے کا کوئی غم نہیں ہے۔'' بوڑھا آدمی افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ''سب جانتے ہیں وہ سلطان سے ناراض ہو کے الور سونگائی میں جا بسا تھا۔ سب جانتے ہیں وہ خود پمبو رو تھا مگر اس نے اپنے ساتھیوں سے غداری کی۔ چال چلی۔ اس نے سارے لوگوں کو پکڑوا دیا اور سلطان کا پسندیدہ بن بیٹھا۔ پچھلا بنداہارا شہزادی ''یان سوفو'' کا ہمدرد تھا۔ اسی کی طرح ظالم' مگر راجہ مراد ''یان سوفو'' سے زیادہ ظالم ثابت ہونے والا ہے۔ سلطان آنکھیں بند کر کے اس پہ اعتبار کرتا ہے اور سچ پوچھو۔ تو اس وقت.... سرزمینِ ملاکہ کا سب سے طاقتور شخص.... اصل بادشاہ.... راجہ مراد ہی ہے.... وہ ہمیشہ سے شاہی خاندان کا حصہ تھا.... چند سال غریب لوگوں کے ساتھ رہ کے بھی وہ نہیں بدلا۔ وہی تکبر' وہی طاقت کی حرص۔'' بوڑھا نفرت اور غصے سے بول رہا تھا۔ ساتھ کھڑے دو آدمی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

تالیہ مراد سفید چہرے کے ساتھ پیچھے ہٹی۔ ایک قدم.... دو قدم۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ سرخ آنسو جن میں خوف تھا۔ وحشت تھی۔ بے یقینی تھی۔

''راجہ مراد کہاں رہتا ہے؟''

''ابھی تو وہ سبز پہاڑی والے محل میں رہائش پذیر ہے۔ یہاں سے چند کوس دور.... اس طرف....'' ایک آدمی جوش سے بتانے لگا۔ وہ مردہ چہرے کے ساتھ پلٹی۔ ایڈم نا سمجھی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''چے تالیہ.... یہ کیا کہہ رہا تھا۔''

تالیہ نے اسی سمت قدم اٹھاتے زیور کی پوٹلی اس کی طرف بڑھائی۔

''تم یہیں رکو۔ میرا انتظار کرو۔''

''مگر میں کیسے...''

''حکم مانو ایڈم۔حکم مانو۔'' وہ بھیگی آواز میں بولی تھی۔قدم رک نہیں رہے تھے۔وہ چلتی جا رہی تھی۔ایڈم وہیں ٹھہر گیا۔حیران پریشان۔ فاصلہ زیادہ نہ تھا۔راستے صاف تھے۔آبادی کم تھی۔راستہ بتانے والے بہت تھے۔وہ ساحل کی سمت میں جا رہی تھی۔بے جان قدموں سے۔توانا قدموں سے۔سرد، مردہ دل سے۔گرم کھولتے ہوئے دل سے۔پتھریلی آنکھوں سے۔آگ کی لپٹیں لئے آنکھوں سے۔ سڑک کے اردگرد اونچے ناریل کے درخت لگے تھے۔سڑک پہاڑی پہ اوپر تک جاتی تھی۔ایک طرف ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آ رہا تھا۔جہاں سپاہی تھے۔کشتیاں کھڑی تھیں۔وہ سڑک کے آغاز پہ رکی اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔

سامنے سبز پہاڑی کی چوٹی پہ ایک خوبصورت محل واقع تھا۔

بھوری لکڑی کا بنا مخروطی چھت کا اونچا محل۔

اس کی چاردیواری کا بیرونی گیٹ بند تھا اور باہر شاہی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

تالیہ بنتِ مراد نے ہیٹ کی ڈوری دو انگلیوں سے کھینچی اتنے زور سے....اتنے زور سے.'..کہ وہ ٹوٹ گئی اور ہیٹ نیچے جا گرا۔ سمندر سے آتی ہوا سے اس کے سنہری بال پیچھے کو اڑنے لگے۔اور ان کے ہالے میں دمکتا سفید گلابی خوبصورت چہرہ دور سے پہریداروں کو نظر آنے لگا۔وہ چوکنے ہو گئے

''وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔''

وہ چمکدار آنکھیں محل پہ جمائے قدم قدم اوپر سڑک پہ چڑھ رہی تھی۔دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

''اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔''

شاہی پہریدار رک کے اس کو دیکھنے لگے جو جامنی لباس میں، گردن میں موتی پہنے نیچے سے اوپر چلتی آ رہی تھی۔(چرچ کے احاطے میں وہ ایک ڈری سہمی لڑکی ہے جس کو مسز ماریہ نے نرمی سے تھاما ہے....اور اسی نرمی سے اس کا بریسلیٹ اتار لیا ہے۔)

''وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔'' وہ دھیرے دھیرے اوپر چڑھ رہی تھی ۔سنہری بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

(مسز ایگنیس نے اسے چور کہتے ہوئے زور سے اس کے منہ پہ تھپڑ مارا ہے....گیارہ سالہ بچی تیورا کے نیچے جا گری ہے۔اب وہ چلا چلا کے اپنے پیسوں کا پوچھ رہی ہیں۔)

''جب وہ دربار میں آتی تو وزراء، درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔''

(وہ دبے پاؤں رات کو یتیم خانے کے فریج سے بن نکال کے منہ میں ٹھونس رہی ہے۔خوف سے بار بار دروازے کو بھی دیکھتی ہے۔)

تالیہ مراد بنا پلک جھپکے پتھر نگاہیں گیٹ پہ جمائے اوپر چڑھ رہی تھی۔قدم بہ قدم۔

''وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔''

(وہ گھاس پہ بیٹھی اسکیچ بنا رہی ہے.... مسکرا رہی ہے اور زرد گلاب کوٹ میں اٹکائے ذوالکفلی اس کے ساتھ بیٹھا کسی بات پہ ہنس رہا ہے۔)

''وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔''

(وہ لاہور کے اس بنگلے میں فرش پہ پوچا لگا رہی ہے .... رگڑ رگڑ کے .... اور قریب بیٹھی 'ماں' کی اردو اور پنجابی کی گالیاں سن رہی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔)

''تیراندازی' تلوارزنی' گھڑسواری' نیزہ بازی .... وہ سب جانتی تھی۔''

(وہ اونچے اڑتے غباروں پہ ایک کے بعد ایک کر کے تیر چلا رہی ہے .... کمان ہاتھ سے کھینچی جاتی ہے اور ایک زوردار تھپڑ اس کو آ کے لگتا ہے۔)

''وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی۔''

(وہ تاریک کمرے میں لیمپ جلائے کتابیں کھولے بیٹھی پڑھ رہی ہے.... ہاتھ میں سیب ہے جسے وہ ساتھ ساتھ کھا بھی رہی ہے۔)

''رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔''

(وہ ذوالکفلی کے ساتھ جم میں کھڑی ہے۔ اوپر لگے ہینڈل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہ اپنے پیر مشقت سے زمین سے اٹھا لیتی ہے۔ اور وہ گھڑی پہ وقت نوٹ کر رہا ہے۔ پھر اسے مزید بہتر کرنے کے لیے کہتا ہے۔)

''چین اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھانا نہ تھا جو وہ پکا نہ سکے۔''

(وہ سوپ پارلر کے کچن کے کاؤنٹر ٹاپ پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی ہے' سر پہ جالی دار ٹوپی ہے اور سوپ بناتے بوڑھے شیف سے ہنس کے کچھ کہہ رہی ہے۔)

''کوئی ایسا ٹانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔''

(وہ حفاظتی عینک لگائے' دستانے پہنے احتیاط سے ایک گلدان پہ دھاگے لپیٹ رہی ہے۔ ساتھ ہی اصلی قدیم گلدان پڑا ہے جس کی جگہ اس کو یہ گلدان رکھنا ہے۔)

''وہ حرم کی نگران تھی۔''

(وہ تھپڑوں اور ٹھڈوں سے موٹی دردانہ کو فرش پہ گرائے مار رہی ہے۔ دردانہ ہاتھ جوڑ رہی ہے۔ اس کا خون بہہ رہا ہے۔ مگر وہ اس کو پیٹے چلی جا رہی ہے۔)

''بندہارا کی سب سے قابلِ اعتماد مشیر۔''

(وہ ائیر پورٹ کے باتھ روم سے ڈر ڈر کے بیگ لئے نکلتی ہے۔ خوف .... ڈھیر سارا خوف۔)

''وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی۔''

(وان فاتح اس کو اسٹڈی میں بلا کے اسے فائل کی وجہ سے چور کہہ رہا ہے...پھر وہ عصرہ کو زیرِ لب کوستی تیز تیز سیڑھیاں اتر رہی ہے۔)

''غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟''

(وہ جنگل میں ہرنوں کو دور درختوں سے چھپ کے دیکھ رہی ہے۔ پھر تاک کے خنجر مارتی ہے۔ خنجر فضا میں تیرتا ہوا سیدھا ننھے غزال کی گردن میں جا لگتا ہے۔ وہ وہیں تڑپ کے گر جاتا ہے۔ سرخ خون بہہ رہا ہے۔)

''اسی لئے اس کو تاشہ پسو نا کہا جاتا تھا۔''

تالیہ مراد چلتے چلتے گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔ پہریدار برہمی اور ناگواری سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟ کس سے ملنا ہے؟'' گرج کے پوچھا۔

تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے باری باری ان تینوں کو دیکھا۔

(''پسو نا یعنی enchantress۔'')

''راجہ مراد کو باہر بلاؤ۔ میں راجہ سے ملنے آئی ہوں۔'' اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ اوپر محل کی ایک کھڑکی میں کھڑے آدمی نے چونک کے اسے دیکھا تھا۔

(ساحرہ....)

تالیہ نے آنکھیں مزید اوپر اٹھائیں۔ دور محل کی کھڑکی میں کھڑا شخص ....جو سونے کے تاروں سے مزین شاہی چغے میں ملبوس تھا....اور جس کے سر پہ قیمتی کپڑا بندھا تھا....وہ کوئی لکڑہارا....کوئی مفلوک الحال آدمی نہ تھا۔

وہ اٹھی گردن والا....عقابی نگاہوں سے اسے دیکھنے والا....راجہ مراد ہی تھا۔

اور وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اچھنبے سے گیٹ پہ کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گردن اٹھا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور تم ہو کون؟'' پہریدار نے گرج کے پوچھا۔

''میں؟'' اس نے اپنے سینے پہ انگلی رکھی۔ نظریں اوپر پہ جمی تھیں۔

''میں راجہ مراد کی بیٹی ہوں۔'' بلند آواز میں کہا۔

کھڑکی میں کھڑا آدمی سن رہ گیا۔ یک ٹک۔ بے سدھ۔

''راجہ کی ایک ہی بیٹی تھی جو....'' پہریدار نے مداخلت کی کوشش کی۔

''جو پانچ دن پہلے کھو گئی تھی' میں جانتی ہوں۔ اس کا نام تالیہ تھا۔ میں وہ نہیں ہوں۔ میں راجہ کی بڑی بیٹی ہوں' اس کی چینی بیوی کی واحد اولاد جس کو راجہ نے چین بھیج دیا تھا۔ اور اب راجہ نے ہی مجھے واپس بلایا ہے۔'' اسکامر نے کہانی گھڑلی تھی۔ ''اس لئے میرے سامنے سے ہٹ جاؤ' اور دروازے کھول دو کیونکہ میں....میں بندہارا کی بیٹی ہوں۔'' وہ گردن اٹھائے اونچی گرج دار آواز میں کہہ رہی تھی۔

انگلی سے سینے پہ دستک بھی دے رہی تھی۔ منتقم آگ برساتی نظریں اوپر جمی تھیں۔ پہریداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''میں کہہ رہی ہوں دروازہ کھولو.....کیونکہ میں.....میں ملاکہ کی شہزادی ہوں.....جاؤ اور بندہارا کو خبر کرو۔''

پہریدار نے سر کو قدرے ادب سے خم دیا۔

''اور.....شہزادی.....میں کس نام سے ان کو خبر کروں؟''

(وہ آرٹ گیلری کے آفس میں کھڑی تھی۔ اور عصرہ مسکرا کے سامنے کھڑے فاتح سے اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ ''یہ تالیہ مراد ہے۔''

فاتح نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے رسماً بولا۔ ''کیسی ہو تم' تاشہ؟'')

''میرا نام.....'' تالیہ نے اٹھی گردن اور سرد آنکھوں سے اوپر دیکھتے کہا۔

''تاشہ بنتِ مراد راجہ ہے۔ بنداہارا سے کہو...اس کی بیٹی شہزادی تاشہ آئی ہے...''

 

**نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔**

باب ہشتم:

# ہم قیدی وقت کے

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ اس چھوٹے کمرے میں مراد کے سامنے کھڑی ہے....

آتش دان میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی ہے....

دروازے پہ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں....مراد حاضر ہو.....

"تالیہ....قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے....اس کو قربانی دینی پڑتی ہے....یہ میری قربانی کا وقت ہے....وہ مجھے لینے آئے ہیں....مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ....کہ تم میرا ایک حکم مان لو...." مراد سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

"جی بابا....میں کیا کروں....مجھے بتاؤ بابا۔"

"یہ قربانی تمہیں الورسونگائی کے لوگوں کے لئے دینی ہوگی....تالیہ....اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لئے....دوگی نا؟!"

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں....وہ "ہاں" میں گردن ہلاتی ہے۔

"میں یہ چاہتا ہوں تالیہ....کہ تم...." وہ اس کے ہاتھ تھامے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہتا ہے۔" تم ان تمام باتوں کو اپنے اندر راز کی طرح دفن کر دو جو تم نے مجھ سے پمبورو کے متعلق سنی تھیں۔"

آنسو تالیہ کی آنکھ میں ٹھہر جاتا ہے۔"وہ کیوں' بابا؟"

"کیونکہ پمبورو کا باب آج سے بند ہو رہا ہے۔سلطان مرسل نے ہمیں واپس شاہی محل بلوا لیا ہے۔اب ہم محل میں رہیں گے تالیہ' اپنی اصلی جگہ پہ۔"

تالیہ ایک دم اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچتی ہے۔"اور شکار بازوں کا کیا ہوگا؟"

"ان کو شہزادی کے سپاہی گرفتار کر رہے ہیں' مگر ہمیں کوئی نہیں گرفتار کرے گا۔یہ دستک دینے والے ہمیں محل لے جانے کے لئے آئے ہیں' گرفتار کرنے نہیں۔"

وہ بے یقینی سے اس کو دیکھتی ہے۔ ''مگر بابا...شہزادی کے سپاہیوں کو کیسے معلوم کہ کون شکار باز ہے' کون نہیں؟ کس نے بتائے پمبورو کے لوگوں کے نام انہیں؟''

''کسی قوم کا راہنما اس کا باپ ہوتا ہے' اس کو مشکل فیصلے لینے پڑتے ہیں۔ چند نام دینے کے عوض سوچو میں محل میں جا کر اپنے ہزاروں لوگوں کی بھلائی کے لئے کتنے کام کر سکتا ہوں۔''

''اور گاؤں کے لوگ؟ وہ تو قید خانوں میں مر جائیں گے۔ تو وہ خزانہ؟ وہ جو آپ نے لانا تھا۔ اس کا کیا؟'' وہ قدم بہ قدم پیچھے ہٹ رہی ہے۔ چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔

''شش....اس کا ذکر اپنے سینے میں دفن کر دو اور میرے ساتھ محل چلنے کی تیاری کرو۔ خزانہ ہمارا ہے' اور ہمارا ہی رہے گا۔''

دستک اب مسلسل ہو رہی ہے۔ مراد حاضر ہو۔ بار بار پکارا جا رہا ہے۔ مراد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

''میں ابھی ان کے ساتھ محل جا رہا ہوں' سلطان کی خدمت میں پیش ہونے۔ تم دروازہ بند کر لو اور باہر نہ نکلنا۔ اچھا!'' وہ پیار سے اس کے سر کو تھپکتا ہے مگر وہ ایک دم سر جھٹک دیتی ہے۔ مراد اثر لیے بنا باہر کی طرف بڑھ جاتا ہے....

تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوتی ہے۔ مراد اسے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سپاہی اس کو تعظیم پیش کرتے ہیں اور بگھی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تالیہ آس پاس دیکھتی ہے۔ قریب میں بہت سے مکان قطاروں میں بنے نظر آ رہے ہیں اور سپاہی ان کے دروازے توڑ توڑ کے اندر سے لوگوں کو نکال رہے ہیں....عورتیں ان کے پیر پڑ رہی ہیں' بچے رو رہے ہیں مگر وہ ان کے مردوں کو گھسیٹ کے گھوڑا گاڑیوں میں ڈال رہے ہیں۔

تالیہ کی آنکھیں بے بسی سے گلابی پڑنے لگتی ہیں۔

وہ ایک دم بھاگ کے الماری کے پٹ کھولتی ہے۔ اندر چھپی بوتل نکالتی ہے اور بلند کر کے دیکھتی ہے۔ بوتل کے پیندے میں چابی کے دونوں ٹکڑے بیٹھے ہیں۔

اسے معلوم ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ یہ مشروب پیئے بغیر وہ چابی تک نہیں پہنچ سکتی۔

وہ کارک کھینچ کے بوتل لبوں سے لگاتی ہے' اور مشروب اپنے اندر انڈیل لیتی ہے....گھونٹ بہ گھونٹ....مشروب اس کے خون میں شامل ہو جاتا ہے.... یہاں تک کہ چابی کے دونوں ٹکڑے اس کے لبوں سے آ ٹکراتے ہیں۔ وہ ان کو ہتھیلی پہ نکال لیتی ہے اور ڈلی کو سوراخ میں ڈالتی ہے۔ ہلکے سے کلک کے ساتھ چابی جڑ جاتی ہے۔ لمحے بھر کو وہ چمکتی ہے اور پھر....ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔

تالیہ زنجیر میں پروئی چابی کو کلائی میں پہن لیتی ہے....

اور یہیں خواب ٹوٹ جاتا ہے۔

☆......☆......☆

''چے تالیہ.... یہ کیا کہہ رہا تھا؟'' ایڈم جھنجلا کے اس کے پیچھے آیا۔

شہزادی کی سواری جا چکی تھی اور اس بوڑھے سے بات کرنے کے بعد تالیہ بے خودسی بازار میں چلتی جا رہی تھی۔

''تم یہیں رکو.... میرا انتظار کرو۔'' کہہ کے اس نے زیور کی پوٹلی ایڈم کی طرف بڑھائی۔

''مگر میں کیسے....''

''حکم مانو' ایڈم۔ حکم مانو۔''

''مگر مجھے بتائیں تو سہی کہ اس آدمی نے کیا کہا۔''

وہ ٹھہری اور اس کی طرف گھومی۔ اس کی آنکھیں عجیب ہو رہی تھیں۔

''اس نے مجھے بتایا ہے کہ یہ شہزادی یان سوفو تھی۔''

''تو یہ شہزادی تاشہ نہیں تھی؟''

''شہزادی تاشہ کوئی نہیں ہے' ایڈم۔ شہزادی تاشہ کوئی نہیں ہے۔''

ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''مگر میں نے خود کتابوں میں اس کا ذکر پڑھا ہے' چے تالیہ۔''

تالیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''وہ میں ہوں۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ لمحے بھر کو دونوں خاموش کھڑے رہے۔

''خیر.... آپ کا قصور نہیں ہے۔ شہزادی کی سواری دیکھ کے میں بھی چند لمحے کے لیے خود کو شاہی منظر نامے کا حصہ سمجھنے لگا تھا مگر اب وہ جا چکی ہے۔ آپ واپس آ جائیں۔'' ساتھ ہی تالیہ کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ''یہ کتنی انگلیاں ہیں' آپ بتا سکتی ہیں؟''

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ ''ابھی جب میں اس بوڑھے سے بات کر کے ہٹی تو میں نے وہ خواب دوبارہ دیکھا جو جنگل میں دیکھا تھا مگر اس دفعہ وہ مکمل تھا۔ میرے بابا کو وہ لوگ گرفتار کرنے نہیں آئے تھے۔ عزت سے لے جانے آئے تھے۔ اور ہم تاشہ کی نہیں شہزادی یان سوفو کی بات کر رہے تھے۔ میرا باپ شہزادی کے مظالم میں برابر کا شریک ہے۔ میں کسی لکڑہارے کی نہیں' بنداہارا مراد راجہ کی بیٹی ہوں۔''

ایڈم بالکل شل کھڑا رہ گیا۔ ہکا بکا۔

''اس لئے تم یہیں رکو۔ جس گھر سے ہم نے کپڑے چرائے تھے اس کے عقب میں میرا انتظار کرو۔ میں رات کو تم سے ملنے ادھر آؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے بابا کے پاس جانا ہے۔'' وہ آگے بڑھ گئی۔

''مگر....''

''حکم مانو' ایڈم۔ حکم مانو۔'' اس کے قدم رک نہیں رہے تھے۔ چند ساعتیں لگی تھیں اس کو بندا ہارا کے محل پہنچنے میں۔

''کس نام سے خبر کروں' شہزادی؟'' محل کا پہریدار مودب انداز میں پوچھ رہا تھا اور تالیہ اوپر دیکھ رہی تھی جہاں محل کی ایک کھڑکی میں وہ شخص کھڑا تھا۔

''میرا نام تاشہ بنتِ مراد ہے۔ شہزادی تاشہ۔''

☆......☆......☆

کچھ دیر بعد وہ سپاہیوں کی معیت میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ وسیع سبزہ زار۔ درمیان میں پتھریلی روش۔ آس پاس اونچے برآمدے اور ان کے اوپر مخروطی چھتیں۔ وہ محل قدیم فنِ تعمیر کا ایک شاہکار تھا۔

برآمدہ عبور کر کے وہ محل کے اندر آئے۔ کھلی کھڑکیوں کے باعث راہداریوں میں مناسب روشنی تھی مگر باہر کی نسبت قدرے اندھیرا تھا۔

سپاہی اسے ایک چھوٹے کمرے میں لے آیا جہاں طویل میز بچھی تھی اور اس کے گرد کرسیاں رکھی تھیں۔ اسے وہاں چھوڑ کے پہریدار غائب ہو گیا۔ تالیہ نے کرسی کھینچی مگر بیٹھی تو چونک گئی۔ کرسی کی گدی ایسی نرم.... جیسے وہ ہوا پہ بیٹھی ہو۔ اس نے میز کی لکڑی پہ ہاتھ پھیرا.... ملائم اور چمک دار۔ اس سے تو خوشبو بھی آتی تھی۔ تالیہ نے تحیر سے نظریں گھمائیں۔ بظاہر وہ ملائیشیا کے اچھے گھروں کے جیسا ایک سٹنگ روم ہی تھا مگر ہر شے مختلف تھی۔

پہریداروں نے ایک دم دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ راجہ مراد تیز قدموں سے اندر داخل ہوا تھا۔ ایک ہاتھ کمر پہ بندھا تھا اور دوسرا پہلو میں گرا تھا۔ پیروں تک آتی شاہی پوشاک.... گردن میں موتیوں کی مالا.... سر پہ کپڑے کی ٹوپی۔ اس سے نکلتے لمبے بال جو کندھوں کو چھوتے تھے۔

اس کی نظریں اوپر اٹھتیں مراد کے چہرے پہ آن رکیں۔

وہ دبلا پتلا چہرہ تھا۔ قدرے سانولا۔ جیسے دھوپ میں رنگ سڑ گیا ہو۔ وہ ادھیڑ عمر مگر چھریرے بدن کا توانا مرد تھا۔ آنکھیں بالکل تالیہ کے جیسی تھیں.... سیاہ اور گہری مگر ان میں کچھ تھا جو تالیہ کی روشن آنکھوں میں نہ ہوتا تھا۔ ایک تپش' ایک چبھتا ہوا تاثر۔ جیسے ان آنکھوں کے ذریعے مراد دوسرے کے اندر تک اتر جاتا ہو۔

انہی آنکھوں سے وہ تالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''بابا!'' لب پھڑپھڑائے۔ عجیب میکانکی سا انداز تھا۔ خون کے رشتے کی کشش' جذباتیت' کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔ یہ وہ مراد نہیں تھا جس کو وہ خوابوں میں دیکھتی تھی.... غریبوں کے لیے لڑنے والا ایک ہیرو.... جس کے لوگوں کے لیے وہ خزانہ ڈھونڈنے نکلی تھی۔

یہ تو کوئی اور تھا۔اس شخص کے ساتھ تو طاقت اور دولت کے جن یوں چپکے تھے کہ ان سے ڈر لگتا تھا۔

ملعون۔آسیب زدہ۔

''میں...میں تالیہ ہوں۔''اس نے پھر پکارا۔وہ خاموشی سے آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورے گیا۔

''پانچ روز پہلے میں چابی لے کر چلی گئی تھی اور ایک دوسری دنیا میں کئی سال گزارنے کے بعد میں پانچ روز پہلے ہی واپس بھی آ گئی تھی۔یہ پانچ دن میں نے سلطنتِ ملاکہ کے جنگلوں میں بھٹکتے گزارے۔بدقت یہاں پہنچی تو معلوم ہوا کہ آپ بنداہارا بن چکے ہیں۔اور....'' وہ سوگواریت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ ایک دم مراد اس پہ جھپٹا اور اس کی گردن زور سے دبوچی۔تالیہ کا سانس لمحے بھر کو بند ہو گیا۔اسے لگا وہ اسے مار دے گا مگر....

مراد نے ایک جھٹکے سے اس کو موڑا' اس کے بال ہٹائے اور گردن کی پشت دیکھی۔(وقت کی مہر) پھر گہری سانس لی۔گرفت ڈھیلی کی اور اسے سیدھا کیا۔

''تالیہ!'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تو اس نے رکی سانس بحال کی۔چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

''کتنے سال؟''وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تو لب ہلتے ہوئے بھی محسوس نہ ہوتے تھے۔

''سترہ۔''وہ ابھی تک دہلی ہوئی تھی۔

''کون سا زمانہ تھا؟''

''چھ سو سال بعد کا۔''

''تب دنیا کیسی تھی؟''وہ سوال در سوال کر رہا تھا۔تالیہ نے ایک پل کے لئے اطراف میں دیکھا۔

''اس سے بہت مختلف۔بہت الگ۔آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیا تمہاری شادی ہوئی؟ بچے ہیں؟''اس کا انداز میکانکی سا تھا۔بس اس کو دیکھ رہا تھا۔کوئی اپنائیت' محبت....کچھ بھی نہیں۔

''ہماری دنیا میں اتنی جلدی شادیاں نہیں ہوتیں۔''وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

اس قدیم دیوان خانے میں وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے مگر درمیان میں گویا صدیوں کا فاصلہ تھا۔دو دنیاؤں کی دوری تھی۔

''اچھی بات ہے کہ تمہیں اس دنیا نے زنجیر نہیں کیا۔تم آزاد ہو۔''

ان الفاظ میں کوئی سرد پن سا تھا جو تالیہ مراد کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتا ہوا محسوس ہوا۔وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''بے شک۔میں آزاد ہوں۔مگر مجھے وہ چابی واپس جانے کے لئے....''

''تم نے اپنا نام غلط بتایا؟ کیوں؟''وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

''کیونکہ کوئی یقین نہ کرتا کہ میں تالیہ ہی ہوں۔ پانچ دن میں میں اتنی بڑی کیسے ہوگئی۔ اس لئے میں نے خود کو تاشہ کہلوایا۔''

''اور تاشہ کون ہے؟ میری تو کوئی دوسری بیٹی نہیں تھی۔''

''تاشہ.... اس دنیا میں میرا نام تھا.... مجھے وہاں سب یہی کہہ کے پکارتے تھے۔'' جو منہ میں آیا بولے گئی۔

''اور کیا تمہیں خزانہ ملا؟''

تالیہ نے نفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''نہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ کیونکہ میں نے بھی خزانے کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔'' وہ سپاٹ تھا۔ بالکل سپاٹ۔

''بابا.... میں چاہ رہی تھی کہ مجھے وہ چابی....''

''میں خادمِ اعلیٰ کو حکم دے رہا ہوں۔ تمہارے لئے خواب گاہ اور شاہی لباس تیار کر دے گا۔ تم آرام سے رہو اور خوب کھاؤ پیو۔ تم بنداہارا کی بیٹی ہو۔ تمہیں بنداہارا کی بیٹی کے جیسا لگنا چاہیے۔''

اور بس!

راجہ مراد انہی تیز قدموں سے باہر نکل گیا جن سے وہ آیا تھا۔ دروازے پہرے داروں نے کھولے۔ اور اس کے جانے کے بعد بند بھی کر دیے۔ وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

ایسا سکوت اور خاموشی۔ جیسے وہ کسی سونے سے بنی قبر میں ہو۔

ایک دم وہ بھاگ کے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ نیچے محل کے سبزہ زار پہ پہریداروں اور ملازموں کی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ حالم آنکھوں نے فوراً سے عقابی انداز میں اس سارے احاطے کا جائزہ لیا۔ محل کے گیٹ کس طرف ہیں؟ پہریدار کتنے ہیں اور کہاں ہیں؟ فرار کے کتنے راستے ہیں؟ ممکنہ ہتھیار؟ سیکیورٹی جھول؟

(کیا میں ایک قید سے نکل کے دوسری میں آ گئی ہوں؟) ذہن میں کوئی بار بار پوچھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

بازار کی گلی کے دونوں اطراف دکانوں پہ گاہکوں کا رش لگا تھا۔ ایڈم زیور کی پوٹلی لباس میں چھپائے' لوگوں کے درمیان آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھتا چوکنا' اور محتاط سا۔ لٹو کی شکل والا ہیٹ سر پہ پہن رکھا تھا۔ سو چہرہ مکمل طور پہ واضح نہ تھا۔

چند موڑ مڑے تو ایک دکان کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ ایڈم کے قدم اسی جانب اٹھ گئے۔

وہ بڑا سا ہال تھا۔ اندر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ دور دور تک میزیں بچھی نظر آ رہی تھیں جن پہ بیٹھے لوگ بے فکری سے باتوں میں مصروف قہوے پی رہے تھے اور کھانے کھا رہے تھے۔ ایڈم کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ یہ کوئی سرائے تھی۔ یا شاید قہوہ خانہ۔

اس نے کندھوں کو اکڑایا' اور اندر داخل ہو گیا۔ آگے ایک آدمی چل رہا تھا۔ ایڈم کے حلیے جیسا حلیہ بنائے وہ کندھے پہ ایک تھیلا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایڈم نے دیکھا کہ اس نے تھیلا ایک میز پہ دھرا اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ پھر چٹکی بجائی اور اندرونی دروازے سے نکلتے لڑکے کو دیکھ کر انگلیوں کی وی دکھائی۔

ایڈم اس کے انداز کی نقالی کرتے ایک دوسری میز تک آیا اور اسی طرح بیرے کو انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ لڑکا اثبات میں سر ہلا کے اندر چلا گیا۔ اندر غالباً قہوہ خانے کا باورچی خانہ تھا۔

اب ایڈم نے احتیاط سے قرب وجوار میں بیٹھے افراد کا جائزہ لیا۔ لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے بے فکری سے باتیں کر رہے تھے۔ کوئی ہنس رہا تھا' کوئی سنجیدگی سے کچھ سنتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔ زبان وہی انجان سی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بیرا ان دونوں کے لیے الگ الگ کھانا لے آیا۔ پہلے تھیلے والے کے سامنے طشت سجائی۔ پھر ایڈم کے پاس آیا اور ایک سوپ کا پیالہ اور ایک مشروب کا گلاس سامنے رکھا۔ پیالے میں دھاتی چمچ رکھا تھا جس سے ایڈم نے سوپ چکھا۔ مچھلی کا سا ذائقہ آیا مگر برا نہیں تھا۔ وہ چمچ بھر بھر کے پینے لگا۔

کنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ تھیلے والا کسی کے آواز دینے پہ پیالہ چھوڑ کے اٹھ گیا ہے۔ دور تین چار افراد کا ایک گروہ بیٹھا تھا جو ہنس کے اونچے نعروں سے اس کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ تھیلے والا ہنستے ہوئے جواب دیتا باری باری ان سے ہاتھ ملانے لگا۔ شاید کوئی پرانے دوست تھے۔

ایڈم نے سوپ درمیان میں چھوڑا' تیزی سے اٹھا اور اس کی میز کے قریب سے گزرتے گزرتے اس کا تھیلا اٹھا لیا' پھر پیچھے دیکھے بنا تیزی سے باہر نکل گیا۔ اتنے رش میں کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

گلی میں جاتے ہی اس نے ایک طرف سرپٹ دوڑ لگا دی۔ وہ بھاگتا رہا' بھاگتا رہا' یہاں تک کہ مکانوں والی اسی گلی میں آ پہنچا جہاں ایک مکان میں صبح انہوں نے لباس تبدیل کیا تھا۔

ایک درخت تلے رک کے گہرے گہرے سانس لیتے اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔

''اے میرے اللہ تعالیٰ!'' ایڈم نے بے چارگی سے اوپر دیکھ کے شکوہ کیا۔ ''اس چوری کا گناہ آپ کو چے تالیہ کے سر ڈالنا ہوگا۔ انہوں نے ہی مجھے ایسے کام کرنے کی ترغیب دی ہے۔''

پھر کانوں کو باری باری چھو کے استغفار پڑھا اور تھیلا کھولا۔ دن کی روشنی اتنی تھی کہ وہ باآسانی اندر جھانک سکتا تھا۔

اور اندر جھانک کے اسے جھٹکا لگا۔ اس میں چند سکوں کے علاوہ قلم' دوات اور کاغذوں کا ایک بنڈل رکھا تھا۔ مزید کوئی پیسے نہ تھے۔ ایڈم نے کاغذ نکال کے دیکھے۔ وہ ذرا سخت مادے کے بنے قدرے زردی مائل سفید تھے۔ پہلے صفحے پہ چند الفاظ لکھے تھے۔ اس نے

پڑھنے کی کوشش کی۔

''بنگارایا ملایو۔'' (ملے گل خطمی۔)

''بنگارایا ملایو!'' اس نے اچنبھے سے دہرایا۔ یہ نام اس نے کہاں سنا تھا؟ بنگارایا (گل خطمی) ملائیشیاء کا قومی پھول تھا مگر یہ نام.... یہ کچھ سنا سنا لگ رہا تھا۔

اور پھر ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ بنگارایا ملایو تاریخ کی ایک کتاب تھی جو اسکول کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھی۔ وہ مرسل شاہ کے عہد میں لکھی گئی ایک تاریخی داستان تھی جو شہزادی تاشہ پسونا کی زندگی پہ مبنی تھی۔ اس میں اس دور کے حالات کا بھی تذکرہ تھا۔ مگر یہ داستان ایڈم نے کبھی نہیں پڑھی تھی۔ اسکول میں اس نے آپشن میں چھوڑ دی تھی' اور شہزادی تاشہ کا جتنا ذکر اسے معلوم تھا' وہ ساتھ والے کلاس فیلوز کی منہ زبانی سن رکھا تھا۔ بنگارایا ملایو پڑھنے کی اس نے زحمت ہی نہیں کی تھی البتہ دوسری تاریخی کتب اس نے ڈھیروں کی تعداد میں پڑھ رکھی تھیں۔

''از عبداللہ بن ابوبکر۔'' ساتھ لکھنے والے نے اپنا نام درج کر رکھا تھا مگر آگے تمام صفحات کورے تھے۔ ابھی اس نے کتاب تحریر کرنا شروع نہیں کی تھی۔

تو سرائے والا آدمی کوئی لکھاری تھا۔ یا مورخ۔ اور اس کو لوگ جانتے پہچانتے تھے۔ تبھی چند لمحوں میں وہ لوگوں میں گھر گیا تھا۔

مگر.... ایڈم الجھا۔

بنگارایا ملایو کے مصنف کا یہ نام نہ تھا۔ اس کا نام کوئی اور تھا۔ مگر شاید اسے یاد کرنے میں غلطی ہو رہی ہو۔ خیر.... اس نے تھیلا کندھے پہ چڑھا لیا۔ تھیلے کا لمبا سا اسٹریپ تھا جس کو کندھے پہ پہنو تو تھیلا پہلو میں آ گرتا تھا۔

ایڈم نے سکے جیب میں رکھے' ہیٹ سر پہ درست کی اور اب کے قدرے اعتماد سے ایک طرف کو چل دیا۔

☆......☆......☆

صبح اس قدیم احاطے پہ بھی پھیلی تھی۔ برآمدوں میں بنی طویل جیل کی سلاخوں کے ساتھ کچھ قیدی کھڑے تھے' کچھ نیچے بیٹھے تھے۔ وان فاتح بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ دو آدمی قیدیوں میں کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ دونوں اس جیل کے پہرے دار بھی تھے۔ ایک کی بغل میں تھیلا لٹکا تھا جس میں کھانے کا سامان تھا۔ وہ تھیلے میں ہاتھ ڈالتا' ایک گیند جیسی سفید چیز نکالتا اور ایک ایک قیدی کو دیتا آگے بڑھتا جاتا۔ قیدی جھپٹ کے اسے تھامتے اور دانتوں سے کترنے لگتے۔ دوسرا پہریدار کوڑا (ہنٹر) لہراتا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ عجیب خوف اور ہیبت تھی اس کے انداز میں۔ قیدی سر جھکائے اپنے اپنے توشے تھامتے اور فٹافٹ کھانے لگتے۔

فاتح خاموشی سے کوڑے والے کا کوڑا دیکھ رہا تھا۔ یہ کس کے لئے تھا بھلا؟

دفعتاً پہریدار فاتح سے چند قدم کے فاصلے پہ آرکا۔ وہاں ایک سنہری بالوں والا قیدی بیٹھا تھا۔ وہ البینو تھا۔ (پیدائشی بہت گورے سنہری بالوں والے لوگ) چہرے پہ ناراضی اور لاتعلقی تھی۔ پہریدار نے کھانا اس کی طرف بڑھایا' اور ابھی البینو نے ہاتھ بھی نہ اٹھایا تھا کہ اس نے کھانا گرا دیا۔

وہ البینو کے قدموں میں مٹی پہ گر گیا۔ جہاں فاتح بے یقین رہ گیا' وہاں سارے میں خاموشی چھا گئی۔ سب مڑ مڑ کے دیکھنے لگے۔ البینو کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''اسے کھاؤ!'' پہریدار گرج کے بولا' مگر البینو بس اسے غصے سے دیکھے گیا۔ پہریدار دوبارہ چلایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

کوڑے والا آگے آیا اور کوڑا لہرا کے البینو کے بازو پہ مارا۔ البینو نے آنکھیں بند کر لیں۔ لبوں سے کراہ نکلی۔ مگر اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اب ایک پہریدار اس کو مار رہا تھا' دوسرا چلا چلا کے گرد آلود کھانا کھانے کو کہہ رہا تھا' مگر البینو خاموشی سے مار کھاتا رہا۔

قیدیوں کی گردنیں وان فاتح کی طرف گھومنے لگیں۔ نیا آنے والا جری مرد جو سب میں ممتاز لگتا تھا' یقیناً شجاع بھی ہوگا' شاید وہ اس مظلوم کو اس ظلم سے بچائے۔ وہ سب کو اپنی طرف دیکھتا محسوس کر رہا تھا' مگر خاموش بیٹھا رہا۔ بوڑھے کے بازوؤں سے اب خون رسنے لگا تو پہریدار اسے چھوڑ کے آگے بڑھ آئے۔ باقی قیدیوں میں کھانا تقسیم کیا۔ ایک سفید گیند فاتح کی طرف بھی بڑھائی جو اس نے تھام لی۔

اردگرد بیٹھے لوگ مایوسی سے واپس اپنے اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کو امید تھی کہ وہ پہریداروں کو دو لگا دے گا' ان کا ہاتھ روک دے گا' مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وان فاتح خاموشی سے اپنا کھانا کھا رہا تھا۔ نظریں اب بھی چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بالکل خاموشی سے۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر میں سمندر کنارے چھوٹی چھوٹی سبز پہاڑیاں بنی تھیں جن میں سے ایک کی چوٹی پہ بنداہارا کا وہ خوبصورت محل واقع تھا۔ مخروطی چھتوں سے مزین' وہ لکڑی کا بنا محل تھا اور اس کے ہرے بھرے سبزہ زاروں میں شاہی پہریدار پہرہ دیتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک اونچی کھڑکی میں تالیہ مراد کھڑی نظر آ رہی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' سنجیدگی سے وہ نیچے جھانک رہی تھی۔ اس کے تو اتنے لمبے بال بھی نہ تھے جو کھڑکی سے گرا کے اس کی سیڑھی بن جاتے اور اسے آزاد کر دیتے۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ مڑی اور پردہ تیزی سے بند کر دیا۔ اب کمرے میں روشنی قدرے کم ہو گئی تھی۔ یہ وہی دیوان خانہ تھا جس میں کچھ دیر پہلے وہ راجہ مراد سے ملی تھی۔ دستک پھر سے ہوئی۔

''آجاؤ یار۔'' وہ سستی سے بولی' پھر فوراً آواز کو بارعب بنایا۔

''آجاؤ!'' کندھے سیدھے کیے اور گردن اکڑا لی۔

دروازے کھلے۔اور ایک ملے لڑکی اندر داخل ہوئی۔ چوٹی بنائے' روایتی لباس کو زرد اور سرمئی رنگ میں پہنے' (گویا یونیفارم ہو) وہ سامنے آئی اور سر جھکا کے سلام کیا۔''سلام' شہزادی!''

''ہاں بولو۔''

لڑکی نے آنکھیں اٹھائیں۔وہ کوئی کنیز لگتی تھی۔

''آقا نے مجھے آپ کی خدمت پہ مامور کیا ہے۔میرا نام شریفہ ہے۔آج سے میں آپ کی خاص خادمہ ہوں۔''

''اچھا!''اس نے بے نیازی سے سر کو خم دیا۔

''مجھے آپ کے لباس کا ناپ لینا ہے۔آج آپ مہمان خانے میں رہیں گی' صبح تک ہم آپ کے لیے پوشاک تیار کروا دیں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔لے لو ناپ۔''اس نے ابرو اچکا کے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔کنیز پلٹی اور کسی کو اشارہ کیا۔ایک لمبی قمیض اور ٹوپی والا تاتائی زیان (خواجہ سرا غلام) اور دو کنیزیں اندر آئیں۔ان کے ہاتھوں میں ناپ کے فیتے' مختلف اوزار اور چند ایک تھال تھے جن پہ طرح طرح کے رنگوں کی ریشم تہہ کی گئی رکھی تھی۔کسی میں زیورات' کسی میں موتی۔

تالیہ نے ایک نظر دیوار پہ لگے بیضوی آئینے کو دیکھا جس کے کناروں پہ سنہری کام ہوا تھا۔تالیہ کا عکس اس میں صاف نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی اور آنکھوں میں ناخوشی تھی۔عجیب سی اداسی' اور پریشانی۔

یہی سب وہ چاہتی تھی۔نہیں؟

محل۔شاہزادیوں والی زندگی۔زیور۔مگر.....یہ سب پا کر بھی اسے سب سے زیادہ فکر کس کی تھی؟

اس کی جسے وہ پنجرے میں چھوڑ آئی تھی۔

وہ جس کے ہاتھ بندھے تھے۔

وہ جس کی زنجیریں کھول کے وہ اسے آزاد نہیں کر سکی تھی۔

وہ جو اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا کہ مجھے چھوڑ کے بھاگ جاؤ۔

(وہ یہ کیوں نہیں کہتا تھا کہ میرے ساتھ رہو؟ کب کہے گا وہ یہ؟)

اس نے بازو اٹھا دیے اور آنکھیں بند کر لیں۔اس کی خدمت پہ مامور غلام اور کنیزیں جھٹ پٹ اس کا ناپ لینے لگے۔

(میرے ساتھ رہو۔تمہیں میری اور مجھے تمہاری ضرورت ہے۔)

وہ آواز.....وہ پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

بازار میں وہی معمول کی گہما گہمی لگی تھی۔ کافی لوگ آجا رہے تھے۔ بول بھی رہے تھے مگر ویسا شور اور آوازیں نہ تھیں جو اپنے زمانے میں ایڈم نے بازاروں میں سنی تھیں۔ ٹی وی کا شور' ٹریفک کی آوازیں۔ ملاکہ کا قدیم شہر ان سب سے پاک تھا۔ وہاں ایک خاموشی سی تھی۔ مقدس' پرسکون خاموشی۔ جس کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی چاپ یا بگھیوں کے پہیوں کی آوازیں بھی گھائل نہ کر سکتی تھیں۔

ایسے میں ایڈم غور سے تمام عمارتوں کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ لٹو کی شکل کا ہیٹ سر پہ تھا' اور چوری شدہ تھیلا کندھے پہ۔ وہ ایک ایک دوراہے پہ رکتا' اور پھر اندازے سے ایک طرف بڑھ جاتا۔ رات وہ کس طرف سے بھاگتے ہوئے شہر سے باہر گئے تھے' اس کی اچھی یادداشت کو صد شکر کچھ بھولا نہیں تھا۔

ایک موڑ مڑا تو بے اختیار لبوں سے اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔ سامنے ہی اس وسیع احاطے کا گیٹ تھا جس کے اندر وان فاتح بند تھا۔ ایڈم ٹھہر گیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ یہ بازار کا ہی علاقہ تھا' رہائشی علاقہ نہ تھا۔ یہاں گلی میں ایک ہی چائے خانہ بنا نظر آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

اس چائے خانے میں بیٹھ کے وہ آسانی سے اس احاطے پہ نظر رکھ سکتا تھا۔ وان فاتح کے ''قریب'' پہنچ کے ہی اس کے اندر توانائی بھر گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ احاطہ دراصل ابوالخیر نامی امیر تاجر کی حویلی کے گرد بنا تھا اور برآمدے میں تعمیر شدہ وہ طویل جیل اس کی ذاتی ملکیت تھی جہاں فاتح سمیت بہت سے دوسرے انسان قید تھے۔ رات بھر وہ اندر مقید رہتے اور دن بھر وہ مشقت کرتے۔

صبح سلاخ دار دروازے کھول دیے گئے اور پہریدار قیدیوں کو قطار کی صورت باہر نکال لائے۔ ہر قیدی کے پیروں اور ہاتھوں میں لمبی زنجیر بندھی تھی۔ اتنی لمبی کہ وہ ہاتھ پیر ہلا کے کام کر سکتا تھا' اتنی چھوٹی کہ وہ تیز بھاگ نہ سکتا تھا۔

پہریدار دو قیدیوں کو اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے گئے اور جب واپس آئے تو وہ دونوں ان کے ہمراہ نہ تھے۔ جانے ان کے ساتھ کیا ہوا۔ کوئی پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

باہر سڑک پار ایک اونچی عمارت بنائی جا رہی تھی جس کے پاس لکڑی' گارے' مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر لگے تھے۔ قیدیوں کو وہاں تعمیراتی کام کرنا تھا۔ باہر آتے ہی تمام قیدی روز کی روٹین کے مطابق اپنے اپنے کام میں جت گئے۔ فاتح بھی انہی لمبی زنجیروں میں بندھا تھا۔ جینز گھٹنوں سے پھٹ گئی تھی اور سفید شرٹ شدید گدلی ہو چکی تھی۔ شیو بھی پانچ روز کی بڑھی ہوئی تھی۔ دوسرے غلاموں کی پیروی میں وہ بھی خاموشی سے کام کرنے لگا۔ دھوپ تیز تھی اور زنجیروں کے باعث چلنے میں مشکل پیش آتی تھی مگر اس نے گارے کا تھال سر پہ رکھا اور اس طرف لے جانے لگا جہاں دوسرے قیدی جا رہے تھے۔

سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو فاتح سڑک پہ چلتے لوگوں سے بے نیاز کھڑا' ایک دیوار پہ گارا لیپتا دکھائی دے رہا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ وہ بار بار آستین سے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھتا۔ سڑک کنارے وہ لوگ دیوار تعمیر کر رہے تھے۔ ادھر اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑتا' ادھر کوئی پہریدار آ کے کمر پہ چھڑی رسید کرتا۔

قریب میں ایک خوانچہ فروش اپنی ریڑھی دھکیلتا آ رہا تھا۔ جب وہ فاتح کے قریب پہنچا تو کسی گاہک نے اسے روک لیا۔ وان فاتح اپنے ساتھ کھڑی ریڑھی سے بے نیاز دیوار پہ ہاتھوں سے گارا لگا رہا تھا۔

''سر!'' سرگوشی پہ اس کے ہاتھ ٹھٹھک کے رکے۔ چونک کے مڑنے لگا مگر.....

''گارڈز دیکھ رہے ہیں سر۔ میری طرف مت گھومیں۔ اپنا کام کریں۔'' فاتح نہیں گھوما' بس آہستہ سے از سر نو گارا ملنے لگا۔ پھر اسی آہستگی سے رخ ذرا سا موڑ لیا۔

اب اسے کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ ریڑھی کے ساتھ سر جھکائے' ہیٹ پہنے' وہ معزز سا دکھائی دیتا آدمی ایڈم ہی تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ لب ہلائے بغیر بولا۔ دل کو سکون سا ملا تھا۔

''جی سر۔ مگر آپ ٹھیک نہیں ہیں۔'' ایڈم سر جھکائے' منہ میں بولتا' ریڑھی کی ایک ایک چیز اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔

''اور تالیہ؟'' اس نے اپنے متعلق سوال نظر انداز کیا۔

''آہ.... چے تالیہ!'' ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ''وہ بھی ٹھیک ہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ تو وہی ٹھیک ہیں۔''

''تم الور سونگائی کیوں نہیں گئے؟ تمہیں مراد کو ڈھونڈنا تھا۔'' فاتح اب جھک کے تھال سے مزید گارا ہاتھوں پہ اٹھا رہا تھا۔ انداز میں ناخوشی تھی۔

''ہم شہر سے باہر تک گئے' پھر چے تالیہ ہمیں واپس لے آئیں۔ وہ آپ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی تھیں۔''

''بے وقوف!'' خفگی سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور پتھروں کی تہہ پہ گارا ابھرا۔ ''ابھی کہاں ہے وہ؟''

''صبح ہم نے ایک گھر سے کپڑے.... ادھار لے کر پہنے (تھوک نگل کے کہا) اور پھر ہم بازار آ گئے۔ وہاں سے وہ مجھے رات میں ملنے کا کہہ کے بندا ہارا کے محل چلی گئیں۔''

''وہ محل کیوں چلی گئی؟''

ایڈم نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے فاتح کو دیکھا' جس کا یہاں سے نیم رخ نظر آتا تھا۔ وہ سنجیدہ صورت بنائے گارے کی تہہ پہ پتھروں کی تہہ لگا رہا تھا۔ پسینے سے بھیگے بال شکن آلود پیشانی پہ جمے تھے۔

''وہ دراصل.... بات یہ ہے کہ....'' ایڈم نے تھوڑی کھجائی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے یہ بات کہے۔ ''چے تالیہ کو ابھی معلوم

ہوا ہے کہ....وہ خود ہی....دراصل....شہزادی تاشہ ہیں۔"

گارا لپیٹتے وان فاتح کے ہاتھ تھم گئے۔ بالکل ساکت۔

"جی' یہ سچ ہے' سر۔" اس کی خاموشی پہ ایڈم کا حوصلہ بڑھا۔ "وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم پڑھتے تھے' جن کے بارے میں بنگا رایا ملایو لکھی گئی تھی' وہ دراصل چے تالیہ ہی ہیں۔ وہی بنداہارا کی بیٹی ہیں' اور وہ....."

فاتح سر جھکا کے ایک دم ہنس پڑا۔ ایڈم کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔

"اس نے محل کی طرف جانے سے پہلے تمہیں کہا کہ وہ شہزادی تاشہ ہے اور تم نے یقین کر لیا؟" محظوظ انداز میں سر جھٹکا تو ایڈم کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہے۔

"سر' وہ واقعی...."

"This is Taliyah for you , Adam!" وہ اب بدقت مسکراہٹ دبا کے دیوار پہ گیلی مٹی لیپ رہا تھا۔ "وہ ایک کون آرٹسٹ ہے' وہ کہانیاں گھڑتی ہے' She lies for a living۔ اس نے تم سے مذاق کیا....ایک کہانی گھڑ دی اور تم نے یقین کر لیا۔ تمہیں کتنی دفعہ بتایا ہے میں نے کہ وہ تمہیں تنگ کرنے کے لئے ایسا کرتی ہے۔"

"نہیں سر' آپ غلط سمجھ رہے ہیں' وہ واقعی...."

"وہ جہاں بھی جا رہی ہوگی' وہ شیئر نہیں کرنا چاہتی ہوگی۔ تھوڑی عقل استعمال کرو۔ اس کی عادت ہے تمہارے ساتھ مذاق کر کے تمہیں شرمندہ کرنا۔"

خوانچہ فروش اب ایڈم سے مایوس ہو چکا تھا جو ہر چیز کو مسلسل الٹ پلٹ کے دیکھے جا رہا تھا مگر خریدنے کی بات نہیں کرتا تھا۔ تنگ آ کے وہ اپنی ریڑھی دھکیلنے لگا۔ پہریدار دور کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ ایڈم نے بے بسی سے اطراف میں دیکھا۔ یہاں کھڑے رہنے کا جواز چھوٹ رہا تھا۔

"سر....وہ واقعی میں شہزادی تاشہ ہیں' وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں' وہ...."

"مراد کو ڈھونڈو۔ الور سونگائی جاؤ اور چابی لے کر آؤ۔ اور اگر مراد قید میں ہے تو اس قید خانے کا پتہ لگاؤ۔"

فاتح کام میں مصروف تھا۔ ایڈم کے پاس اب آگے بڑھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تھال خالی ہوا تو فاتح نے زنجیر والے ہاتھوں سے اسے اٹھاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ ایڈم اب وہاں نہیں تھا۔

"تالیہ بھی اس بے چارے کے ساتھ بہت زیادتی کر دیتی ہے۔" مسکراہٹ دبا کے سر جھٹکا اور تھال اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

عشاء کی اذان کے ساتھ ہی ملاکہ شہر کی ساری مشعلیں اور قندیلیں بجھتی گئیں۔ مسجدوں سے گھروں کا رخ کرنے کے بعد لوگوں نے دروازوں کے کنڈے چڑھا لئے اور کھڑکیوں کے پردے گرا دیے۔ شہر گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اوپر تاروں سے جھلملاتا آسمان البتہ خوب روشن تھا۔

ایسے میں چند مکانوں کے عقب میں ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا تھا۔ تھیلے کو سینے سے لگائے' وہ احتیاط سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے گرد و نواح میں دیکھتا تھا۔ رات کے اس پہر سب کچھ سنسان اور خاموش تھا۔

''ایڈم!'' پیچھے سے نسوانی سرگوشی ہوئی تو وہ اچھل ہی پڑا۔ پھر تالیہ کو دیکھ کے جان میں جان آئی۔ وہ صبح والے لباس میں تھی' مگر سر پہ لٹو والا ہیٹ تھا۔ ایڈم نے چہرے پہ خفگی طاری کی۔

''کہاں تھیں آپ؟'' دبی دبی آواز میں پوچھا۔

''میں اپنے بابا کے پاس گئی تھی۔ راجہ مراد میرے بابا ہیں۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے جلدی سے بولی۔ اداس بھی لگ رہی تھی۔ سنہری بال جوڑے میں تھے اور چند لٹیں گالوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ مذاق تو نہیں کر رہیں نا؟''

''نہیں۔ میں تو کامیڈین ہوں۔ میری زندگی میں تم سے مذاق کرنے کے علاوہ دوسرا کام کون سا رہ گیا ہے؟'' اس کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔

''نہیں' میرا مطلب ہے' میں کیسے یقین کروں کہ آپ ایک دم سے شہزادی نکل آئی ہیں' ہاں؟ کل تک تو آپ لکڑہارے کی بیٹی تھی' اور آج بنداہارا کی؟''

تالیہ نے گہری سانس لی۔

''دیکھو ایڈم!'' آرام سے سمجھانے لگی۔ ''اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق نوازتا ہے۔ کسی کو کچھ کم دیتا ہے' کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے صرف کھوپڑی سے نوازا ہے' اور اندر دماغ کے نام پہ جو دیا ہے نا' وہ پہلے ہی بہت تھوڑا ہے۔ اس پہ زیادہ زور دو گے تو خدانخواستہ ختم ہو جائے گا۔ سوچ سمجھ کے میری بات سنو!'' ٹون بدل کے غرائی تو ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

''اچھا۔ مان لیا۔ آپ ہی شہزادی ہیں۔'' بھنویں اکٹھی کر کے ناراضی سے بولا۔ ''تو پھر شہزادی تاشہ پہ اتنے دن سے غصہ کیوں کر رہی تھیں؟''

''کیونکہ میں اپنے خواب کو ٹھیک سے سمجھ نہیں سکی تھی۔ جس شہزادی کو اس میں ظالم کہا جا رہا تھا وہ بیان سوفو تھی۔ شہزادی تاشہ کوئی نہیں تھی۔ میرے بابا سلطان مرسل کے پھوپھی زاد ہیں۔ سلطان مرسل کے والد کی حکومت میں ان کو شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ وہ الور سونگائی

نامی گاؤں چلے گئے اور وہاں باغیوں کی ایک تنظیم بنالی جس کا نام پمبو رو تھا۔ وہ سلطان کی پالیسیز سے نالاں تھے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے مگر جب سلطان مر گیا اور اس کا بیٹا مرسل سلطان بن گیا اور اس کے بنداہارا اور شہزادی یان سوفو نے مل کے پمبو رو کے لوگوں کو گرفتار کیا اور ان کے گھر اجاڑے' تو بابا نے اپنے لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور بنداہارا کے ساتھ مل گئے۔ یوں بنداہارا نے ان کو دوست سمجھ کے ان کو مرسل سے معافی دلوادی۔ اس کے بعد بابا نے مرسل شاہ پہ جانے کون سا جادو کیا کہ بابا کے کہنے پہ مرسل نے پچھلے بنداہارا کو پھانسی چڑھا دیا اور بابا کو بنداہارا کی گدی دے دی۔ اب شہزادی یان سوفو بابا کی دشمن ہو گئی ہے۔ چند دن بعد اس کی سلطان مرسل سے شادی ہو رہی ہے مگر مجھے لگتا ہے مرسل شاہ اپنی شہزادی سے زیادہ میرے بابا کے زیر اثر ہے۔"

"بڑے کوئی ولن ہیں آپ کے بابا۔ وہی تو میں سوچ رہا تھا کہ آپ کس پہ گئی ہیں۔" پھر تالیہ کے گھور کے دیکھنے پہ گہری سانس لی۔"خیر....ہمیں ان کی لڑائیوں سے کیا۔ آپ یہ بتائیں' آپ کے بابا چابی دے رہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ سب اتنا سادہ نہیں ہے۔" وہ ڈپٹ کے بولی اور سارے دن کی روداد سنا دی۔ اندھیرے میں درخت تلے کھڑے وہ دو ہیولے لگتے تھے جو دبی سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"یعنی راجہ مراد آپ کو اسی دنیا میں رکھنا چاہتے ہیں' اور وہ چابی کے بارے میں کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہیں؟" وہ ساری بات سن کے سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ عجیب انسان ہیں' ایڈم۔ شاطر' چالاک اور بہت ہشیار۔ ہمیں ان سے چھپا کے پلان کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔"

"آپ باہر کیسے نکلیں محل سے۔"

"چھتیں پھلانگنا اور دیواریں کودنا آتی ہیں مجھے۔" ناک سے مکھی اڑائی۔

"تو اب آپ محل میں رہیں گی؟" قدرے رشک سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ تم ابھی کسی سرائے میں رہ لو۔ میں تمہارے لئے سکے لائی ہوں۔" اس نے ایک پوٹلی سی ایڈم کی طرف بڑھائی۔ ایڈم نے جلدی سے وہ تھام لی۔"یہ تو بھاری ہے۔ خیر....اب تو آپ کے پاس کافی دولت آگئی ہو گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بمشکل ایک کمرے سے نکال کے لائی ہوں۔ کسی کو اپنی طرف سے مشکوک بھی تو نہیں کر سکتی نا۔" پھر ٹھہر گئی۔ اور غور سے دیکھا۔ ایڈم تھیلے میں پوٹلی ڈال رہا تھا۔

"یہ تم نے کہاں سے لیا؟ دکھاؤ۔" مشکوک انداز میں بولی تو اس نے جھٹ تھیلا کھول کے دکھایا۔

"ایک سرائے میں بیٹھے کسی آدمی سے چرایا ہے۔ وہ بنگارایا ملایو کے نام سے کتاب لکھ رہا تھا مگر پیسے وغیرہ نہیں تھے اس کے پاس۔ کنگال رائٹر۔ ہونہہ۔" مایوسی سے کورے صفحے نکال کے دکھائے اور واپس اندر ڈال دیے۔ پھر یاد آیا۔

''میں آج ملا فاتح صاحب سے۔''

تالیہ چونکی۔''واقعی؟''

''جی چے تالیہ۔ان کو ساتھی قیدیوں سمیت اس احاطے کے باہر والی دیوار کی تعمیر کا حکم ملا ہے' وہ وہیں تھے۔میں نے ان سے بات کی۔ان کو یہ سب....''(تالیہ کی طرف شرمندہ سا اشارہ کیا۔) بھی بتایا۔''

''یہ سب کیا؟''

''یہی کہ....آپ ہی....(تھوک نگلا) شہزادی تاشہ ہیں۔''

''اچھا!''اس نے گردن ذرا اکڑاتے ہوئے نزاکت سے لِٹ انگلی سے پیچھے کی۔''تو کیا کہا انہوں نے؟''سرسری سا پوچھا۔

''یہی کہ آپ تو پیدائشی چور ہیں اور ماشاءاللہ سے جھوٹی کہانیاں گھڑنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اس لیے یہ بھی کوئی کہانی ہی ہے جو آپ نے مجھے فیڈ کردی ہے اور بہتر ہے کہ میں آپ کی بات کا یقین نہ کروں اور الورسونگائی جا کر لکڑ ہارے مراد کو ڈھونڈوں' اس سے چابی لوں' اور ہم تینوں واپس چلے جائیں۔ان کو لگتا ہے میں آپ کی من گھڑت کہانیوں پہ جلدی اعتبار کر لیتا ہوں کیونکہ....''آنکھیں سادگی سے جھپکائیں۔''میں کتابیں جو بہت پڑھتا ہوں۔''

ادھر اس کی بات ختم ہوئی' ادھر دانتوں پہ دانت جمائے تالیہ مراد کا چہرہ مارے غصے کے سیاہ پڑتا گیا۔

''ہونہہ۔ان کو انسانوں کی پہچان کبھی بھی نہیں تھی۔''اور پیر پٹخ کے اٹھ گئی۔ایڈم نے ہڑبڑا کے پکارا۔

''آپ جا رہی ہیں....تو پھر اب ہم کہاں ملیں گے؟''

''کل صبح احاطے کے سامنے وان فاتح کے ساتھ میرا انتظار کرنا۔روشنی ہونے کے پورے گھنٹے بعد میں تم سے ادھر ہی ملوں گی۔''

وہ مڑے بغیر بولی اور آگے بڑھ گئی۔ایڈم ارے ارے کرتا رہ گیا مگر وہ اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔

ایڈم نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔شہر گھپ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔مکان تاریک پڑے تھے۔سرائے چند کوس کے فاصلے پہ تھی۔وہ وہاں پہلے ہی کمرہ لے چکا تھا' اور اسے چینی سمجھ کے اشاروں کی زبان میں بات کر کے سرائے کے مالک نے تسلی بھی کر لی تھی۔اس کا کمرہ فی الحال اس کا انتظار کر رہا تھا سو وہ اسی سمت میں چل دیا۔یہ تھیلی اس کے لیے کافی تھی۔

☆......☆......☆

صبح سورج کا تھال ملاکہ کے قدیم آسمان پہ نمودار ہونے لگا تو روشنی کی کرنیں سلاخ دار دیوار سے اندر گرنے لگیں۔دو پہریدار حسبِ معمول دروازے تک چلتے آئے تو ان کے قدموں کی چاپ سن کر قیدی بیدار ہونے لگے۔گدلے میلے جسموں اور کپڑوں والے بے حال مقید لوگ....کوئی اٹھ کھڑا ہوا' کوئی کونے میں کھسک گیا۔

ایسے میں اپنی جگہ پہ اکڑوں بیٹھا وان فاتح بار بار اس البینو کو دیکھ رہا تھا جو پہریداروں کی آمد کے ساتھ ہی غصے میں نظر آنے لگا تھا۔اس کے چہرے پہ کرب اور نفرت کے ملے جلے تاثر نمودار ہو گئے تھے جیسے وہ ایک خاموش احتجاجی لڑائی کے لئے تیار ہو۔ ہر روز اس کا کھانا گرا دیا جاتا تھا اور اسے ذلیل کیا جاتا تھا۔شاید وہ کوئی معزز آدمی تھا جو ان کی قید میں آ پھنسا تھا اور وہ اپنے خودداری اور باعزت زندگی کو بھول نہیں پا رہا تھا۔

تالہ کھول کے دونوں پہریدار اندر داخل ہوئے' ایک ہنٹر لہرا رہا تھا اور دوسرے نے کھانے کا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔باری باری کھانا بانٹتا وہ پہریدار آگے بڑھتا گیا' یہاں تک کہ وہ البینو کے پاس آ رکا۔دوسرے قیدی خاموشی سے انہیں دیکھنے لگے کہ چلو دیکھتے ہیں آج کیا ہوتا ہے۔

پہریدار نے تمسخر سے اسے دیکھتے تھیلے سے چاولوں کی گیند نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔ پھر ابرو سے اشارہ کیا گویا کہہ رہا ہو ''لے لو۔''

فاتح تیزی سے اٹھا اور پہریدار کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

جہاں پہریدار چونکا' وہیں سارے میں خاموشی چھا گئی۔سب نے دم سادھ لئے۔

فاتح نے کھانا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔اپنی گہری آنکھیں وہ پہریدار کی آنکھوں میں ڈالے ہوئے تھا۔کوئی رعب تھا یا کیا' پہرے دار نے کھانا گرانے کی بجائے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

فاتح نے اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر....گیند کو خود زمین پہ گرا دیا۔

بہت سے لوگوں کے منہ کھل گئے۔البینو خود دھک سے رہ گیا۔ہنٹر والے کا ہوا میں ہنٹر لہراتا ہاتھ ٹھہر گیا۔

پھر فاتح نیچے جھکا' گرد آلود گیند اٹھائی' اس کی گرد جھاڑی اور کھڑے ہوتے ہوئے البینو کی طرف مڑا۔

''اٹھو!'' جدید ملے میں کہتے ہوئے انگلی سے اشارہ کیا۔بھلے الفاظ البینو کو نہ سمجھ آئے ہوں' مگر اشارہ سب کو سمجھ میں آ رہا تھا۔

البینو بس اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے اٹھ گیا۔

''اسے کھاؤ! ابھی!'' سختی سے کہہ کے کھانا اس کے ہاتھ پہ رکھا۔''کسی دوسرے سے دشمنی میں اللہ کے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ہمارا جسم بھی ہمارے پاس اللہ کی امانت ہوتا ہے۔''

البینو نے میکانکی انداز میں کھانا لبوں کی طرف بڑھایا' تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔''ٹھہرو۔'' پھر مڑا اور ہنٹر والے کی طرف اشارہ کر کے تھیلے والے سے بولا۔

''یہ آئندہ....اس قید خانے میں....یہ ہنٹر لے کر....نہیں آئے گا۔اس سے کہو....یہ واپس جائے۔'' وہ چبا چبا کے کہتا ساتھ میں اشارہ بھی کر رہا تھا۔دو دفعہ پھر اس نے اپنی بات دہرائی۔

''یہ آدمی آج سے روز کھانا کھائے گا' ہر آدمی کھانا کھائے گا مگر یہ ہنٹر لے کر دوبارہ اندر نہیں آئے گا۔ٹھیک؟'' اس کی آنکھیں پہریدار کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ پیچھے البینو لبوں کے قریب توشہ روکے ہوئے کھڑا تھا۔ سارے قیدی دم سادھے اس طرف دیکھ رہے تھے۔

تھیلے والے نے اثبات میں سر ہلایا اور ہنٹر والے کو اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پہ غصہ اور مزاحمت در آئی۔ اس نے احتجاجاً کچھ کہا مگر جواباً تھیلے والے نے اسے جھڑک دیا۔ ہنٹر والے نے برہمی سے فاتح کو دیکھا' پھر زور سے ہنٹر زمین پہ مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

فاتح نے البینو کو اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا اور کھانا کھانے لگا۔ تھیلے والے پہریدار نے ایک گیند نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔ فاتح نے ایک نگاہِ غلط اس پہ ڈالتے ہوئے اسے تھام لیا۔

پہریدار اب خاموشی سے باقی قیدیوں کو ان کا کھانا دینے لگا' البتہ بار بار وہ مڑ کے فاتح بن رامزل کو دیکھتا ضرور تھا۔

☆......☆......☆

سنہری صبح ملاکہ کی اس پہاڑی پہ پھیل رہی تھی۔ نیچے سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مارتی دکھائی دے رہی تھیں اور اوپر محل کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہوا سے لہرا رہے تھے۔ ایسی ہی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو سامنے مسہری پہ تالیہ مراد بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

کسی بت کی طرح گردن کڑائے' کمر سیدھی رکھے' وہ سپاٹ چہرہ لئے ہوئے تھی۔ دو کنیزیں اس کو تیار کر رہی تھیں۔ اس نے سرخ کامدار لباس پہن رکھا تھا' جیسے لہنگا ہو اور اوپر لمبی قمیض۔ کانوں میں قیمتی پتھر جڑے آویزے تھے۔ ایک کنیز اس کے بالوں کا اونچا جوڑا بنا رہی تھی اور دوسری ناخن تراش رہی تھی۔ شریفہ نامی کنیز ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' دفعتاً تالیہ نے شریفہ سے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''راجہ مراد محل کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔'' (اس کا اشارہ سلطان کے محل کی طرف تھا جو یہاں سے چند کوس کے فاصلے پہ واقع تھا۔)

''مجھے ان سے ملنا ہے۔'' تالیہ نے ایک دم ہاتھ کھینچا اور بے چینی سے کھڑی ہوئی۔ دوسری کنیز کے ہاتھ سے اس کے بال بھی نکل گئے۔

''میں ان کو خبر کر دیتی ہوں شہزادی۔ وہ ملنا چاہتے ہوں گے تو روانگی کو موخر کر دیں گے۔ آپ یہیں بیٹھیے۔'' شریفہ نے ادب سے کہا تو وہ ذرا سنبھلی۔ پھر سرسری سا ''ہاں' خبر کر دو'' کہہ کے مصنوعی انداز میں گردن کڑائی اور واپس بیٹھ گئی۔ شریفہ باہر نکل گئی اور دونوں کنیزیں اس کو تیار کرنے لگیں۔

''شہزادی آپ کے بالوں کا رنگ اتنا حسین کیسے ہے؟'' پیچھے کھڑی کنیز نے اس کے بال سنوارتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔

''زیادہ سوال مت پوچھو۔ اپنا کام کرو۔'' وہ رعب سے بولی تو کنیز خفیف سی ہو کے جلدی جلدی بال بنانے لگی۔

دوسری کنیز اٹھی اور پاؤڈر سے بھرا پیالہ لے آئی۔ تالیہ نے اس میں جھانکا اور ناک چڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ سنگھار ہے۔ خالص ترین گندم کو پانی میں پندرہ دن تک رکھتے ہیں' پھر پیس کے' چھان کے' سکھا دیتے ہیں۔ استعمال کرنے سے پہلے اسے عرقِ گلاب میں ملاتے ہیں۔ چہرے کو خوب سفید کر دیتا ہے یہ۔''

(آہ۔ فاؤنڈیشن۔) وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔ کنیز ان مہارت سے وہ اس کے چہرے پہ لگا رہی تھی۔ پھر انجلیکا کے سرخ پتوں کے سفوف سے اس کے گالوں کو گلابی کیا۔ اسکے بعد ڈبیا سے ایک پیسٹ انگلی پہ نکالا اور ہونٹوں پہ ملنے لگی۔ وہ چربی اور ناز بو سے تیار کردہ لپ اسٹک تھی۔ دوسری کنیز اس کا جوڑا بنا چکی تھی اور سامنے کو نکالی لٹوں کو اب گرم دہکتے لوہے کے راڈ پہ لپیٹ کے گھنگریالا کر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ سارے کام اپنے اوپر ہوتے دیکھتی رہی۔ دیوار پہ لگے آئینے میں اس کا سجا سنورا روپ بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ جنگل میں اتنے دن مٹی سے اَٹے چہرے سے پھرنے کے بعد اسے ہر شے قبول تھی۔

☆......☆......☆

راجہ مراد جس کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا وہ اس کا دربار تھا۔

تالیہ کے سامنے جب پہریداروں نے دروازے کھولے تو اس نے دیکھا' وہ مستطیل کمرہ ہے' اور سیدھ میں قالین بچھے ہیں۔ دائیں بائیں کرسیاں قطار میں رکھی ہیں۔ جب دربار لگتا تو وہاں درباری بیٹھتے تھے۔ ابھی وہ خالی تھیں۔

قالین جہاں ختم ہوتا وہاں اونچا چبوترہ بنا تھا جس پہ راجہ مراد تخت پہ شان سے بیٹھا میز پہ رکھے کاغذات دیکھ رہا تھا۔ سنہری اور سفید شاہی پوشاک پہنے' سر پہ سرخ ریشمی پٹی باندھے' اس کی نظریں کاغذوں پہ جھکی تھیں۔ آہٹ پہ محض نظر اٹھا کے دیکھا تو سامنے سے سرخ سنہری لباس میں مسکراتی ہوئی تالیہ چلتی آ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا' یہاں تک کہ وہ قریب آ گئی اور چبوترے کے زینوں کے ساتھ رکی۔

''بابا!'' مسکرا کے بولی۔ ''صبح بخیر۔''

راجہ مراد نے صرف سر کو خم دیا۔ ہاتھ ہنوز رو کے ہوئے تھا۔

''آپ کو محل کے لئے روانہ ہونا ہے' اس لئے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں اس چابی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مجھے وہ چابی دوبارہ بنا دیں' تو میں اپنی دنیا میں واپس جا سکتی ہوں۔ مجھے وہاں چند ایک کام نپٹانے ہیں' اس کے بعد میں واپس آ جاؤں گی' یہی میرا گھر ہے اور میں اپنے محل کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے واپس آنا ہی ہے۔ مگر چند دن کے لئے مجھے ادھر جانا ہوگا' سوا گر آپ....'' وہ ایسے پیار سے کہہ رہی تھی جیسے کسی بچے کو بہلایا پھسلایا جاتا ہے۔

''تم سیدھ میں نہیں چلتیں۔'' وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

"جی؟"

"تمہاری چال درست نہیں ہے' تمہارا لہجہ خراب ہے' تمہارے آدھے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے' تم بہت تیز تیز گفتگو کرتی ہو۔تم نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے سر جھکا کے مجھے سلام نہیں کہا۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محل میں آنے کے بعد تم مجھے 'بابا' نہیں 'بندا ہارا' کہو گی۔تمہیں ابھی تربیت کی ضرورت ہے۔"اس نے کا غذ رکھے' اور ایک شان سے اپنا چغہ سمیٹتے ہوئے اٹھا۔چبوترے پہ کھڑا وہ تالیہ کو بہت اونچا' بہت پر ہیبت لگا تھا۔

اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"چابی۔مجھے وہ چابی چاہیے ' بابا'۔"

"میرے پاس کوئی چابی نہیں ہے' تاشہ۔آج کے بعد میں اس کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا۔وہ سب پیچھے رہ گیا ہے۔" وہ چبوترے کے زینے اترا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا' پھر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھے۔ایسی آہنی گرفت تھی وہ کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

"تمہاری دنیا یہ ہے' وہ نہیں۔وہاں تمہارے لئے کچھ نہیں تھا۔میں چاہتا ہوں تم اس دنیا کو بھلا کر یہیں رہو۔عیش وعشرت سے زندگی گزارو۔راج کرو۔دولت اور طاقت کا مزہ حاصل کرو۔میں کبھی بھی دوبارہ تمہارے منہ سے اس دنیا کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔وہ باب اب بند ہو چکا' تاشہ!"اس کے الفاظ تھے کہ کوئی یخ بستہ ہوا جو تالیہ کی ہڈیوں میں گھس کے خون کو جما رہی تھی۔

وہ پھیکا سا مسکرائی اور سر کو اثبات میں خم دیا۔

"جیسے آپ کا حکم' بابا۔" مراد نے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے اور آگے بڑھ گیا۔

حالم کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ایک دم وہ مڑی۔

"مگر اُس دنیا کے محل زیادہ خوبصورت تھے آقا۔میں تو ایک دن میں ہی اس محل سے اکتا گئی ہوں۔کیا ہم اس کی تزئین و آرائش نہیں کر سکتے؟"

مراد کمر پہ ہاتھ باندھے باہر جا رہا تھا' اس بات پہ رکا اور واپس پلٹا۔

"یہ محل کافی خوبصورت ہے' تاشہ! اور محل تو کیا' ملاکہ بھی بہت خوبصورت ہے۔تمہاری دنیا سے زیادہ خوبصورت۔" پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔"تمہیں شاید اس بات پہ یقین نہیں ہے۔تم یوں کرو' اپنے شاہی عملے کے ساتھ شہر کا دورہ کر آؤ۔تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ملاکہ اور تمہاری دنیا میں کیا فرق ہے۔" اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

(ہماری دنیا اور آپ کی دنیا بہت مختلف ہے' راجہ مراد!) وہ تندہی سے سوچ گئی۔ماتھے پہ بل پڑے تھے۔پہلا مرحلہ تو طے ہوا۔اسے

باہر جانا تھا مگر حالم ہمیشہ ایسے بات کرتا تھا کہ سامنے والے کو لگے' سارا آئیڈیا اسی کا تو تھا۔ اب وہ با آسانی باہر جا سکتی تھی۔ پلان اے۔

چابی مانگنے کی آخری کوشش بھی ناکام گئی تھی۔ مگر خیر۔ وہ صرف ایک کمزور سا پلان اے تھا۔ اب اسے پلان سی پہ عمل کرنا تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر کے بازار میں صبح سویرے ہی رونق لگ گئی تھی۔ گاہکوں کا رش دکانوں پہ لگا تھا۔ خوانچہ فروش صدا لگاتے اپنا سامان بیچ رہے تھے۔ ایسے میں بازار کی اس گلی میں آؤ جہاں وہ احاطہ واقع تھا تو اس کے سامنے والی زیرِ تعمیر حویلی کے اندر باہر مزدور کام پہ لگے دکھائی دیتے تھے۔ حویلی کی چاردیواری ایک جگہ سے چار ہاتھ اونچی تھی اور اس کے اوپر وان فاتح جھکا کھڑا تھا۔ اس کے پاس ڈرائی وُڈ اور پتھروں کی بنی اینٹوں کا ڈھیر لگا تھا' اور وہ گارے سے لتھڑے ہاتھوں سے ان کو اٹھا اٹھا کے دیوار پہ جما رہا تھا۔ سفید گدلی شرٹ مزید گدلی ہو چکی تھی۔ بانہوں پہ کل والی مٹی ہنوز جمی تھی اور ذرا ذرا سا گارا ماتھے اور گال پہ بھی لگا تھا جس سے وہ بے نیاز' بے خبر نظر آتا تھا۔

''سر!'' ایڈم نے قریب آ کے پکارا تو وہ چونک کے پلٹا۔ ایڈم کے سر پہ ہیٹ تھا اور ہاتھ معزز افراد کی طرح کمر پہ باندھ رکھے تھے۔ لباس کل والا تھا۔ فاتح نے فوراً پہریداروں کی طرف دیکھا' اور پھر قریب کھڑے البینو کو اشارہ کیا۔ البینو نے سر ہلایا اور آس پاس کھڑے تین چار قیدیوں کو نگاہوں کی زبان میں کچھ کہا۔ چند ہی لمحوں میں تمام مزدور اپنی اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہٹ گئے' اور انہوں نے کچھ اس طرح سے اپنی ترتیب جوڑی کہ دور کھڑے پہریداروں کے راستے میں حائل ہو گئے۔ فاتح اور ایڈم ان کی نظر سے چھپ گئے۔

''لگتا ہے آپ نے کچھ نئے دوست بنا لئے ہیں' سر!'' ایڈم متعجب ہوا۔ جس ریڑھی کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا' اس کو بھی بھول گیا کیونکہ اب کوئی پہریدار اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ''کل تک تو یہ آپ کے دوست نہیں تھے۔''

فاتح نے مسکرا کے گارے میں لتھڑی اینٹ اٹھائی اور دیوار پہ جمائی۔

''کل تک وہ مجھے کوئی جنگجو سمجھ رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے لیے پہریداروں سے لڑائی کر لوں۔''

''تو کیا آپ جنگجو نہیں ہیں' سر؟''

''ہر ایک کا لڑنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ میں سیاست دان ہوں۔ میں مفاہمت' بات چیت اور تدبیر سے درمیانی راہ نکالنے پہ یقین رکھتا ہوں' جس میں دونوں فریقین کو ان کی مرضی کی شے مل جائے۔ خیر۔'' اس نے سر جھٹکا۔ پھر احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ ''تم بتاؤ' کیا تم الور سونگائی جا رہے ہو تالیہ کے بابا کو ڈھونڈنے؟''

''نہیں۔ چے تالیہ نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے یہیں ملیں گی۔ ابھی کچھ دیر میں۔'' ایڈم نے ہیٹ ذرا اوپر سرکایا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا یہاں آنا خطرناک ہے۔ تم دونوں کو چاہیے کہ فوراً یہاں سے نکلو۔'' وہ واقعی جھنجھلایا۔

''سر.... وہ....'' ایڈم نے بار بار لب کھولے' پھر بند کر دیے۔ فاتح گارے سے لتھڑے ہاتھ کمر پہ رکھے' ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''سر....شہزادی تاشہ دراصل (تھوک نگلا) چے تالیہ ہی ہیں۔''

فاتح نے اچھنبے سے دونوں ابرو اٹھائے۔''واقعی؟ اور یہ تمہیں تالیہ نے خود بتایا ہے؟''

''جی۔ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔ بنداہارا ان کے باپا ہی ہیں۔ راجہ مراد۔ اور وہ اب محل کی مکین ہیں۔''

''اچھا اور تم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا ہے؟ اس کا محل‘ اس کا باپ؟''

ایڈم نے بے اختیار گردن کی پشت کھجائی۔''نہیں‘ مگر انہوں نے کہا تھا کہ شہزادی تاشہ وہ خود ہی ہیں....وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ وہ تمام قصے ابھی پیش نہیں آئے۔ وہ اب پیش آنے ہیں۔ اور اب وہ تاریخ کا حصہ بنیں گے۔''

''او کے!'' وہ قدرے برہمی سے مڑا اور زور زور سے اینٹیں اٹھا کے دیوار پہ جمانے لگا۔ ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔''سر....اگر وہ واقعی شہزادی ہیں تو وہ بے پناہ اختیارات کی مالک ہوں گی‘ اور یوں....''

فاتح تیورا کے اس کی طرف گھوما اور افسوس سے اسے دیکھا۔

''تمہیں واقعی اس کے اس افسانے پہ یقین ہے؟''

ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ وہ فاتح کے کندھے سے پیچھے کچھ دیکھ رہا تھا۔ لب آدھے کھل گئے تھے۔ بازار میں شور سا مچا تھا۔ منادی کرنے والے نے اعلان کیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ سپاہیوں نے بگل بجائے۔ بازار میں بکھرے لوگوں نے سمٹ کے دونوں اطراف میں قطاریں بنا لیں۔ سر ادب سے جھکا لئے۔ راستہ صاف ہو گیا۔

فاتح بن رامزل کسی خواب کی سی کیفیت میں گھوما۔

سامنے سڑک صاف تھی اور اس پہ شاہی سپاہی چمکتی تلواریں لئے چلتے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سنہری اور چاندی رنگ کی بگھی تھی جس کی چھت کھلی تھی۔ ایسے کہ بگھی میں بیٹھی 'شاہزادی' صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وقت کا جادو تھا.... یا تاشہ پسونا کا سحر....وہ بالکل مبہوت رہ گیا.....

سرخ زرتار لباس پہنے.... بالوں کا جوڑا بنائے.... بالوں پہ ہیروں کا تاج سجائے....بڑی شان سے کہنیاں اطراف میں جمائے‘ وہ مسکراتی ہوئی قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرخ لباس بگھی کی سیٹ پہ پھول کی طرح پھیلا تھا۔ منادی کرنے والا اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے رہا تھا اور لوگ اشتیاق سے گردنیں اٹھا اٹھا کے‘ ایڑھیاں اونچی کر کے بنداہارا کی سندر بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔

اور وان فاتح بالکل ساکت ہوئے کے ایل کے اس بہروپیے کو دیکھ رہا تھا جس کو ہر طرح کا بھیس بدلنا آتا تھا۔ وہ پلک تک نہیں

جھپک پا رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں حیرت سے زیادہ بے یقینی اور تعجب تھا۔

شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا تو بگھی بان نے بگھی روک دی۔کسی نے لپک کے دروازہ کھولا۔کسی نے نیچے پائیدان رکھا۔وہ اسی شان سے زینے اترتی نیچے آئی۔

لوگ مزید پیچھے ہٹنے لگے۔تالیہ ٹہلنے والے انداز میں دکانوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔پھر ایک دکان کے چھپر کے قریب رکی۔ادھر میز پہ بہت سے سرخ سیبوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔تالیہ نے سیبوں میں ہاتھ ڈالا....چند سیب ادھر ادھر ہٹائے اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک موٹی سی سنڈی تھی۔

''کیا تم سنڈیوں اور کیڑوں والے سیب لوگوں کو کھلا رہے ہو؟'' سنڈی لہرا کے اس نے دکاندار کو دکھائی اور پھر غصے سے نیچے پٹخی۔دکاندار کا منہ کھل گیا۔ہجوم میں کئی لوگوں نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''گرفتار کرلو اس دکاندار کو۔اس کو اپنی لاپرواہی کی سزا ملنی چاہیے۔'' شہزادی تحکم سے بولی تو سپاہیوں نے جھٹ سے دکاندار کو پکڑا اور اسے گھسیٹتے ہوئے آگے لے گئے۔وہ بے چارا چیختا چلاتا رہا مگر اس کو کوئی نہیں سن رہا تھا۔

لوگ مزید پیچھے کھسکنے لگے۔بازار میں ایک خوف کی فضا قائم ہو رہی تھی۔

اور وان فاتح....وہ بالکل خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

شہزادی اب سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ایک ادا سے وہ اپنا انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ریڑھیوں کے کناروں پہ پھیرتی جا رہی تھی۔دفعتاً وہ ٹھہری۔دائیں جانب ایک ریڑھی پہ کپڑوں کے تھان رکھے تھے۔ریڑھی والے نے اسے اپنے پاس رکتے دیکھ کے ہی دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔تالیہ نے دو انگلیوں میں مسل کے کپڑے کو دیکھا۔

''کیا یہ تم چین سے لائے ہو؟''

ریڑھی بان نے جھٹ سر اثبات میں ہلایا۔''جی!''

''اسے بھی پوچھ گچھ کے لئے محل لے جاؤ۔میں جاننا چاہتی ہوں یہ دوسرے ملک سے مال برآمد کرنے پہ محصول (ٹیکس) بھی دیتا ہے یا نہیں۔'' شہزادی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا تو ریڑھی بان نے گھبرا کے سپاہیوں کو دیکھا۔وہ بنا کسی تامل کے اس پہ جھپٹے اور اسے کھینچ کے لے گئے۔

''چے تالیہ ویسے شہزادی کے روپ میں اتنی بری نہیں لگ رہیں۔'' ایڈم نے قدرے جوش سے فاتح کے قریب سرگوشی کی۔(رش کے باعث سب اکٹھے کھڑے ہو گئے تھے....ایڈم کا اس کے ساتھ کھڑے ہونا کسی کو قابلِ توجہ نہیں لگا تھا۔)

''یہ معصوم لوگوں کو کیوں گرفتار کر رہی ہے؟'' وہ دور سے آتی شہزادی کو دیکھ کے ذرا الجھن سے بولا۔

''یقیناً یہ لوگ معصوم نہیں ہوں گے۔ بے شک چے تالیہ چور ہیں' فراڈ ہیں' مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اچھے اور نیک انسان کو کبھی گرفتار نہیں کروائیں گی۔'' ایڈم نے خلوص سے کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔ وہ ہیٹ ذرا اٹھا کے تالیہ کو دیکھتا فخر سے مسکرا رہا تھا۔ اس سے سارے گلے شکوے اس کو اس پراعتماد روپ میں دیکھ کر ختم ہونے لگے تھے۔

''اس ہیٹ والے آدمی کو بھی گرفتار کرلو۔ یہ گستاخ میری طرف دیکھ کے تمسخرانہ اشارے کر رہا ہے۔'' شہزادی نے تندہی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے دور سے اس کی طرف اشارہ کیا تو سپاہی اس جانب لپکے۔ دوسرے لوگوں نے جلدی جلدی راستہ چھوڑا۔

ایڈم بن محمد کا منہ کھل گیا۔ بے اختیار وہ پیچھے ہٹا۔

''مم.... میں نے کیا کیا ہے؟ چے تا.... شہزادی تاشہ.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ چھوڑو مجھے.... ارے چھوڑو مجھے۔'' مگر اس کی چیخ و پکار کا سپاہیوں پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے دبوچ کے آگے لے گئے۔ ایڈم ان کی گرفت میں مسلسل پھڑ پھڑاتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ششدر' حیران' پریشان۔

تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر دمکتے سورج کو دیکھا اور پھر نزاکت سے اپنی پیشانی چھوئی جس پہ پسینے کی نادیدہ بوندیں موجود تھیں۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ واپس چلو۔'' غلام کو اسی بے نیازی سے حکم دیا اور بگھی کی طرف مڑی۔ مڑتے مڑتے ایک لمحے کو اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہزادی کو متوجہ پا کر ایک ابرو اٹھائی اور لب بے آواز ہلائے۔ ''سیر یئسلی؟''

ملاکہ کی شہزادی نے دور کھڑے اس بدحال 'غلام' پہ نظریں جمائے ادب سے پلکیں جھکا کے اٹھائیں اور ہونٹوں کو جنبش دی۔

''توانکو' (میرے آقا) اور دونوں پہلوؤں سے کامدار لباس اٹھائے بگھی پہ سوار ہوگئی۔

لوگ پھر سے اطراف میں سمٹ کے شاہی قافلے کو راستہ دینے لگے۔

وہ اسی طرح خاموشی سے دور جاتی بگھی کو دیکھے گیا۔

(''وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی لگتی تھی۔''

''میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جا رہی تھی۔''

''ہر کوئی آپ کے ان سیاستدانوں جیسا نہیں ہوتا' ڈیڈ۔''

''میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے۔ مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔''

''پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔'')

اور اب بھی ننھی آریانہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہی تھی۔

''وہ شہزادی ہے' ڈیڈ۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

☆......☆......☆

تالیہ محل کے اندر سبزہ زار پہ آ کے بگھی سے اتری تو دیکھا... سبزے کے اختتام پہ جہاں سے محل شروع ہوتا تھا' وہاں بیرونی زینے بنے تھے۔ ان کے قدموں میں مسلح سپاہیوں کا ہجوم لگا کھڑا تھا۔ وہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز چلتی سامنے آئی تو سپاہیوں نے راستہ چھوڑا۔

زمین پہ ایک پھٹے پرانے لباس والا بدحال آدمی رسیوں سے بندھا' سجدے کی حالت میں پڑا تھا۔ اس کے بال لمبے اور سفیدی مائل تھے۔ چہرے اور بازوؤں پہ تشدد کے صاف نشانات نظر آتے تھے۔

دائیں جانب ایک جلاد کھڑا تھا جس کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا تھا اور ہاتھ میں تیز دھار چمکتی ہوئی ننگی تلوار تھی۔ وہ بار بار اوپر محل کے داخلی دروازے کی طرف دیکھتا جہاں دروازے بند تھے۔ گویا وہ سب کسی کے منتظر تھے۔

''کون ہے یہ آدمی؟ اس کو کیوں مارا جا رہا ہے؟'' وہ بے یقینی اور اضطراب سے ان سب کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

اندر اپنے کمرے میں بنداہارا مراد راجہ کھڑا تھا۔ اس کے سامنے کنیز شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ مراد کمر پہ ایک ہاتھ رکھے' سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا تم میری بیٹی پہ نظر رکھ رہی ہو؟''

''جی راجہ۔'' اس نے سر کو کہرا خم دے کر نظریں اٹھائیں۔ ''شہزادی کی ہر حرکت پہ میری نظر ہے اور میں اس کی خبر آپ کو دیتی رہوں گی۔ ابھی ابھی شہزادی بازار سے واپس آئی ہیں۔ میں قافلے سے آگے تھی اس لیے جلدی پہنچ گئی۔ بازار میں....'' وہ تذبذب سے رکی۔

''بازار میں کیا؟'' وہ سپاٹ سا بولا۔

''شہزادی کافی نازک طبع واقع ہوئی ہیں۔ انہوں نے کھڑے کھڑے معمولی باتوں پہ تین راگیروں اور دکانداروں کو گرفتار کر کے شاہی قید خانے میں ڈلوا دیا ہے۔''

''کیسی باتوں پہ؟'' اس نے سوچتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

''میں وہیں موجود تھی۔ کوئی خاص بات نہ تھی۔ کسی کو محصول نہ دینے' کسی کو صفائی کا خیال نہ رکھنے پہ گرفتار کیا ہے اور ایک کو تو صرف اس بات پہ کہ اس نے شہزادی کی طرف دیکھ کے اشارہ کیا ہے۔ شہزادی شاید صرف ان لوگوں کو اذیت دینا چاہتی تھیں۔''

''اونہوں۔ وہ مجھے تنگ کرنا چاہتی ہے تاکہ میں اسے واپس بھیج دوں۔'' وہ سوچ میں ڈوبا بولا۔ شریفہ چونکی۔

''واپس کہاں؟ چین؟''

مراد نے چونک کے اسے دیکھا' اور سر جھٹکا۔ ''ہاں۔ چین۔ اب تم جاؤ اور اس پہ نظر رکھو۔ اس کی ایک ایک حرکت کی خبر مجھے ہونی چاہیے۔''

''راجہ....'' وہ ڈرتے ڈرتے نظریں جھکائے بولی۔''شہزادی آپ کی صاحبزادی ہیں۔کیا آپ کو ان سے ....کسی قسم کا کوئی ....خطرہ ہے؟ یا کوئی....؟''اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کے تھوک نگلا۔

مراد راجہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔شریفہ کا دل زور سے دھڑکا۔سر مزید جھکا لی۔

''نیچے دالان میں ایک آدمی جلاد کے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔جانتی ہو اس کا جرم کیا تھا؟''

شریفہ نے نظریں مزید نیچے کر لیں اور کپکپاتی آواز میں بولی۔''کیا؟''

''وہ میرے ہر کام کی ٹوہ رکھتا تھا۔''

''مجھے معاف کر دیجیے راجہ۔'' وہ ایک دم جھکی اور راجہ مراد کے جوتوں پہ دونوں ہاتھ رکھ دیے۔''میری جان لے لیجیے۔آئندہ آپ میرے لبوں سے کوئی سوال نہیں سنیں گے۔''

مراد نے کوفت سے پیر ہٹایا اور آگے بڑھ گیا۔

جب وہ محل سے نکلا اور بیرونی زینے اترنے لگا تو اس کی شاہی پوشاک زمین کو چھو رہی تھی اور بازو کمر پہ بندھے تھے۔

نیچے جلاد کے قریب تالیہ کھڑی تھی۔

''بابا...'' اسے دیکھتے ہی بے چینی سے زینے چڑھتی اوپر آئی۔''یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ آدمی پرانے بنداہارا کا تائی ژیان (غلام) ہے۔کیا آپ اس کو اس لئے سزا دے رہے ہیں کیونکہ....'' آواز دھیمی کی۔'' کیونکہ یہ آپ کے مخالف کا آدمی تھا؟ یا واقعی اس نے کوئی نا قابلِ تلافی جرم بھی کیا ہے؟''

تالیہ اس سے تین زینے نیچے کھڑی تھی۔اس لیے راجہ کو دیکھنے کے لیے گردن پوری اٹھائے ہوئے تھی۔

''اور اگر اس نے کوئی جرم نہیں کیا سوائے جنگی جرائم کے تو آپ اس کو معزول کر کے جلاوطن کر دیں۔یہ آپ کی سلطنت میں کبھی دوبارہ داخل نہیں ہو سکے گا۔لیکن کیا اس کو مارنا ضروری ہے؟''

راجہ مراد نے اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے سے نکالا اور ہتھیلی پھیلائی۔تالیہ نے نازک انگوٹھیوں سے مزین اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔

وہ اس کا ہاتھ تھامے نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں کے قدموں میں کھڑے سپاہی منتظر سے راجہ کو دیکھ رہے تھے۔وہ دونوں نیچے اتر آئے تو راجہ اس کو ساتھ لئے آگے چلا گیا۔سپاہی پیچھے رہ گئے۔وہ دونوں گھاس کنارے بنی پتھریلی روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

دفعتاً راجہ ٹھہرا اور پورا اس کی طرف گھوما۔تالیہ کا ہاتھ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔

''تاشہ...'' وہ نظریں اس پہ جمائے نرمی سے پوچھنے لگا۔''تم اپنی اس دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز کے پیچھے بھاگی تھیں؟''

''دولت کے!'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''اور کیا تم اس دولت کو حاصل کر پائی؟''

اس کی نگاہوں کے سامنے حالم کا بنگلہ' قیمتی لباس اور زیور گھوم گئے تو اس نے سر ہلا دیا۔

''کسی حد تک۔ جی ہاں۔''

''اور کیا تم وہ ساری دولت دنیا کو دکھا پائی یا تم نے اس کا ایک بڑا حصہ چھپا دیا؟ صندوقوں میں؟ زمین میں؟ دور دراز جزیروں پہ؟ جیسے ہماری دنیا میں چھپایا جاتا ہے۔''

مراد نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔ بنا پلک جھپکے اب وہ تالیہ کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سرد تھے مگر تالیہ کے گرم تھے۔

''جی۔ چھپا دیا تھا۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ (حالم کے مکان کے تہہ خانے میں چھپائی گئی پینٹنگز' اور نوادرات۔ بینکوں میں رکھا گیا پیسہ۔ اسے سب یاد آ گیا۔) ''میں نے تقریباً سب کچھ ہی چھپا دیا۔''

''کیونکہ دولت چھپانے سے محفوظ رہتی ہے مگر طاقت دکھانے سے بڑھتی ہے۔ تم دولت کی تمنا کرتی ہو۔ میں طاقت کی کرتا ہوں۔ تبھی تو دولت چھوڑ کے الور سونگائی جا بسا تھا۔ کیونکہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتیں۔ جب دولت ملے تو صرف دولت ملتی ہے۔ مگر جب طاقت ملے تو دولت خود بخود کھنچی چلی آتی ہے۔ اس لئے طاقت چھپا کے نہیں رکھی جاتی۔ اس کو دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ آدمی....'' تالیہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے ابرو سے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ایک آدمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک 'قربانی' ہے۔ اس کی موت ظلم نہیں ہے' بلکہ ایک پیغام ہے۔ جب نیا حکمران کسی علاقے پہ آتا ہے تو وہ ایک بستی کو تباہ ضرور کرتا ہے تا کہ ساری سلطنت میں ایک پیغام چلا جائے کہ حکمران.... بدل چکا ہے۔ اور وہ کسی کو رعایت نہیں دے گا۔ مجھے افسوس ہے اس تائی ژیان کے لئے مگر اس کو چھوڑ دینے سے میں دنیا کو کیا پیغام دوں گا؟ کہ راجہ مراد ایک پھانسی چڑھے بندا ہارا کے خاص غلام کو مار تک نہیں سکا؟ کیا راجہ مراد اتنا کمزور نکلا؟ چڑیا کے دل جیسا کمزور؟'' وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں تالیہ کے ہاتھ مقید تھے اور وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ سارے الفاظ ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''طاقت دولت کی طرح چھپانے والی چیز نہیں ہے۔ یہ مظاہرے سے بڑھتی ہے۔ مضبوط ہوتی ہے۔ اور یہ آدمی صرف ایک پیغام ہے۔ کہ اس ملک پہ حکمرانی کرنے والا چہرہ بدل چکا ہے۔ دھاک بٹھانے کے لئے ایسے پیغام دینے پڑتے ہیں۔''

اس نے تالیہ کا ایک ہاتھ چھوڑ دیا' اور دوسرے سے تھامے واپس قدم بڑھا دیے۔ وہ بالکل گم صم سی اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس قیدی کے قریب آ رکے۔